رجسٹرڈ ایل

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ

فاروق

قادیان

ایڈیٹر: شیخ قاسم علی احمدی

شرح چندہ
سالانہ عام ... ششماہی ...

تاریخہائے اشاعت ہر انگریزی ماہ کی ۷ - ۱۴ - ۲۱ - ۲۸

۱۳۲ جناب مولوی کامل سعد الدین صاحب بی اے
اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر سکولز
گوجرخان - راولپنڈی
Gujar Khan

Digitized by Khilafat Library Rabwah

جلد ۲۳ | قادیان دارالامان مورخہ ۸ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ مطابق ۷ جولائی ۱۹۳۸ء | نمبر ۲۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ مورخہ ۲۴ جون ۱۹۳۸ء

میاں عزیز احمد صاحب مرحوم سے متعلق اپنوں کے خیالات اور معاندین کے اعتراضات

فرمودہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ

سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

اس ہفتے مجھے

پشاور کی جماعت کے ایک دوست

کی طرف سے ایک خط ملا ہے۔ جس میں انہوں نے ایک دوسرے دوست کی شکایت کی ہے۔ کہ ایک مجلس میں بیٹھ کر انہوں نے بعض ایسی باتیں کہی ہیں۔ جو قابل اعتراض ہیں۔ اور مجھ سے خواہش کی ہے۔ کہ میں ان باتوں کا ازالہ کروں۔ چونکہ وہ باتیں اور ویسی ہی بعض اور باتیں ایسی ہیں۔ جو کسی قدر توضیح چاہتی ہیں۔ اور اس بات کی متقاضی ہیں۔ کہ جماعت کو ان کے متعلق صحیح رائے سے آگاہ کیا جائے۔ اسلئے میں نے مناسب سمجھا۔ کہ میں جمعہ کے خطبہ میں ان امور کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کر دوں۔ انہوں نے

دو باتیں

لکھی ہیں۔ ایک تو یہ۔ کہ اس دوست نے مجلس میں بیٹھ کر باصرار و بہ تکرار یہ بات بیان کی۔ کہ

قادیان کے لوگ بے غیرت ہیں

کیونکہ وہ سلسلہ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق یا ان کے خاندان کے متعلق جو بدگوئی کی جاتی ہے۔ اسے برداشت کر لیتے ہیں۔ اور انہوں نے کہا۔ کہ اہل قادیان جو یہ کہتے ہیں۔ کہ ہم صبر سے کام لیتے ہیں۔ یہ درست نہیں۔ اسلئے کہ جب انہیں یا ان کے رشتہ داروں کو کوئی شخص گالی دے۔ تو وہ صبر نہیں کرتے — وہ کہتے ہیں۔ ہم نے اسی دوست کو سمجھایا۔ کہ یوں نہیں کہنا چاہیئے۔ تو وہ کہنے لگے میرے ساتھ قادیان چلو۔ میں اسی فی صدی ایسے لوگ ثابت کر سکتا ہوں۔ کہ جب انہیں یا ان کے ماں باپ کو گالی دی جائے۔ تو وہ برداشت نہیں کرینگے۔ اور یہ اس بات کا ثبوت ہوگا۔ کہ

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یا سلسلہ اور نظام

کے متعلق جب دشمنوں کی طرف سے کوئی بات کہی جاتی ہے۔ اور وہ اسے برداشت کر لیتے ہیں۔ تو یہ صبر کا نہیں۔ بلکہ بے غیرتی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ حالانکہ گالی دینے والے کا علاج سوائے سختی کے اور کیا ہے۔

دوسری بات

وہ لکھتے ہیں انہوں نے یہ کہی۔ کہ ان میں سے ایک ہی شخص نے

غیرت کا مظاہرہ

کیا۔ یعنی میاں عزیز احمد صاحب نے۔ اور انہوں نے اس کی کوئی امداد نہ کی۔ بلکہ خاموش ہو کر بیٹھ رہے۔ یہاں تک کہ جب اسکی وجہ سے ہائیکورٹ نے خلیفۃ المسیح کے متعلق بعض ریمارکس کئے۔ تو اس وقت جماعت میں جوش پیدا ہوا۔ اور دوڑ بھاگ کی گئی۔ حالانکہ اگر شروع سے ہی جب یہ واقعہ ہوا تھا۔ کوشش کی جاتی۔ تو شاید میاں عزیز احمد کو بھی پھانسی نہ ملتی۔ اور وہ بچ جاتے۔

یہ دو باتیں ہیں۔ جو اس دوست نے پشاور سے لکھی ہیں۔ اور تحریر کیا ہے۔ کہ ہم اس دوست کو سمجھاتے رہے۔ اور وہ اصرار کرتے رہے۔ جس سے انہوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے۔ کہ وہ دوست اور ایسے ہی اگر کوئی اور دوست ہوں۔ تو ان کے دلوں پر زنگ لگا ہوا ہے۔ کیونکہ وہ

قادیان اور مرکز سلسلہ کا احترام

نہیں کرتے۔ اور چونکہ ایسے شخص نے قادیان کے لوگوں کی ہتک کی ہے۔ اور فتنہ پیدا کیا ہے اسلئے اس کا ازالہ ہونا چاہیئے۔ یہ تو ایک احمدی اور اپنے دوست کی طرف سے مجھے بات پہنچی ہے۔ نام انہوں نے نہیں لکھا۔ صرف اتنا لکھا ہے۔ کہ وہ دوست احمدی اور مبائع ہیں۔ اس کے علاوہ مجھے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

دو اور باتیں

بھی پہنچی ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں۔ کہ وہ بھی قابل توجہ ہیں۔ اگرچہ وہ دوستوں کی طرف سے نہیں بلکہ مخالفوں کی طرف سے پہنچی ہیں۔ ان میں سے پہلی بات تو یہ ہے۔ کہ جماعت احمدیہ کی طرف سے کہا تو یہ جاتا ہے۔ کہ جماعت احمدیہ میاں عزیز احمدؐ کی مدد نہیں کرتی رہی۔ حالانکہ اس کے

مقدمات پر ہزارہا روپیہ خرچ کیا گیا ہے

ورنہ ایک غریب آدمی ہائیکورٹ اور پریوی کونسل تک مقدمہ کیونکر لڑ سکتا تھا۔ مجھے یاد پڑتا ہے۔ کہ ایک احراری مولوی نے بھی اپنی ایک تقریر میں یہ مضمون بیان کیا ہے۔

ایک اعتراض مخالفوں کی طرف سے یہ بھی میرے کان میں پڑا ہے۔ کہ

میاں عزیز احمدؐ صاحب کے جنازہ میں ہزاروں احمدی

شامل ہوئے۔ یہ بغیر حکم کے کس طرح ہو سکتا تھا۔ ضرور ہے۔ کہ جماعت کے لوگوں کو یہ حکم دیا گیا ہو۔ کہ جاؤ اور مظاہرہ کرو۔ پس یہ جو کہا جاتا ہے۔ کہ ہم ایسے افعال سے ہمدردی نہیں رکھتے۔ یہ صحیح نہیں۔ کیا یہ ہمدردی نہیں۔ کہ ہزاروں احمدی اس کے جنازہ میں شامل ہوئے۔ اور کیا بغیر خاص حکم کے ایسا ہو سکتا تھا۔ پھر یہ بھی کہ

کیوں جماعت نے ان کا جنازہ پڑھا

اگر وہ اس فعل کو بُرا کہتے تھے۔ تو ایسے شخص کا جنازہ کیوں پڑھا گیا۔ دوسری طرف یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے۔ کہ اگر جنازہ پڑھنا بُرا نہیں تھا۔ تو

امام جماعت احمدیہ نے خود کیوں جنازہ نہیں پڑھایا

گویا وہ اس اعتراض کی دو شقیں کرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر اس کا فعل بُرا تھا۔ تو پھر جماعت کا اس کثرت کے ساتھ اس کے جنازہ میں شامل ہونا درست نہیں تھا۔ پھر یہ کہ ان کا شامل ہونا آپ ہی آپ نہیں تھا۔ بلکہ مرکز کی طرف سے حکم تھا۔ کہ جنازہ میں ضرور شامل ہونا چاہیئے۔ اس طرح ان کے نزدیک گویا منافقت کی گئی ہے۔ کہ دنیا کو تو یہ کہا گیا ہے۔ کہ ہم اس کے فعل سے بیزار ہیں۔ مگر عملاً اس بیزاری کا اظہار نہیں کیا گیا۔ دوسری شق اس اعتراض کی یہ ہے۔ کہ اگر جنازہ پڑھنا کوئی بُرا کام نہیں تھا تو خود میں نے کیوں جنازہ نہیں پڑھایا۔

یہ وہ چار اعتراضات ہیں۔ جو میرے کانوں میں پڑے ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں۔ ان کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کر دینا میرے لئے ضروری ہے۔ تاکہ جس حد تک اعتراض ناواجب ہے۔ اس کا ازالہ ہو جائے۔ اور جس حد تک اعتراض حقیقت پر مبنی ہے اسکی تشریح ہو جائے۔

پیشتر اس کے کہ میں اصل سوالوں کا جواب دوں۔ میں سمجھتا ہوں۔ یہ مناسب ہوگا۔ کہ دوستوں کو سمجھانے کے لئے اور مخالفوں کو سمجھانے کے لئے بھی (اگر وہ سمجھنے کی کوشش کریں)

بعض اصول

بیان کر دوں۔ کیونکہ ان اصول کو سمجھے بغیر ان باتوں کے جوابات پوری طرح سمجھ میں نہیں آ سکتے۔ اور جو پہلو میں اختیار کروں گا۔ وہ پوری طرح ان پر واضح نہیں ہو سکے گا۔

پہلا امر جو ان تشریحات کے سمجھنے سے پہلے جنہیں آئندہ چل کر اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی۔ تو بیان کروں گا۔ یہ ہے کہ

الفاظ کی ظاہری شکل

کو دیکھ کر کسی فتویٰ کا لگا دینا درست نہیں ہوتا۔ بلکہ اس حقیقت کو دیکھنا ضروری ہوتا ہے۔ جو الفاظ کے پیچھے ہوتی ہے۔ دنیا میں ظاہری صورتیں نہ کچھ حقیقت رکھتی ہیں اور نہ ظاہری فقرات کچھ حقیقت رکھتے ہیں۔ لبا اوقات اچھے فقرے ہوتے ہیں۔ جن کے بُرے معنے ہوتے ہیں۔ اور لبا اوقات بُرے فقرے ہوتے ہیں۔ جن کے اچھے معنے ہوتے ہیں۔ ہمارے ملک میں لوگ عام طور پر کہا کرتے ہیں۔ فلاں بڑا حضرت ہے۔ اب "بڑا حضرت" کے ظاہری معنے یہ ہیں۔ کہ قابل عزت لوگوں میں سے وہ شخص بہت بڑا ہے۔ اور اگر ہم الفاظ کو لیں۔ تو

یہ تعریفی الفاظ

ہیں۔ بُرے الفاظ نہیں۔ کہ فلاں صاحب بڑے حضرت ہیں۔ کیونکہ حضرت کا لفظ ادب اور احترام کے لئے بولا جاتا ہے۔ حتیّٰ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے بھی جو لفظ کثرت سے ہمارے ملک میں استعمال کیا جاتا ہے۔ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی ہے۔ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق بھی جو لفظ ہم کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ وہ حضرت صاحب یا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ پھر ان سے اتر کر اور بزرگوں کے متعلق بھی ہم حضرت کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ چاہے وہ دینی بزرگ ہوں یا دنیوی۔ عام طور پر ہمارے ملک میں مؤدب اولاد کہتی ہے۔ حضرت والد صاحب کی طرف سے یہ بات ہے۔ اس زمانہ میں عربی زبان میں بھی والد کی نسبت یا اور بزرگوں کی نسبت حضرت کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو ہمارے ہاں جو تعریف کے الفاظ ہیں۔ ان میں سے بہترین لفظ یہ ہے۔ علماء کا ذکر جب عربی کے اخبارات کریں گے۔ تو کہیں گے۔ الحضرت الفاضل فلاں فلاں۔ ماں باپ کا ذکر آئے۔ تو کہیں گے۔ الحضرۃ الوالد۔ پیروں کا ذکر ہمارے ملک میں جب ان کے مرید کرتے ہیں۔ تو یہی کہتے ہیں۔ کہ ہمارے حضرت صاحب ایسے تھے۔ بزرگوں کا ذکر کرنا ہو۔ تو کہتے ہیں۔ حضرت فلاں بڑے بزرگ ہوئے ہیں۔ لیکن باوجود اتنا متبرک لفظ ہونے کے اور باوجود اتنی وسیع عظمت کے معنے اپنے اندر مخفی رکھنے کے ہمارے ملک میں طنزاً بعض دفعہ کہدیا جاتا ہے۔ فلانے بڑے حضرت ہیں۔ یا فلاں بڑا حضرت ہے۔ اب کیا ان معانی کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ "بڑے حضرت" کا لفظ اس نے ادب کے طور پر استعمال کیا ہے۔ تو ہر جگہ خالی الفاظ کو نہیں دیکھا جائیگا۔ بلکہ حقیقت کو دیکھا جائیگا۔ اور اس امر پر غور کیا جائے گا۔ کہ ان الفاظ کو کس رنگ میں استعمال کیا گیا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت تھی۔ کہ جب آپ بہت جوش اور محبت سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کرتے۔ تو "مرزا" کا لفظ استعمال کیا کرتے اور فرماتے۔

"ہمارے مرزا"

کی یہ بات ہے۔ ابتدائی ایام سے جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ابھی دعوےٰ نہیں تھا۔ چونکہ آپ کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تعلقات تھے۔ اسیلئے اس وقت سے یہ لفظ آپ کی زبان پر چڑھے ہوئے تھے۔ کئی نادان اس وقت اعتراض کیا کرتے تھے۔ اور کہتے تھے۔ کہ حضرت مولوی صاحب کے دل میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ادب نہیں (حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں آپ کو لوگ عام طور پر مولوی صاحب یا بڑے مولوی صاحب کہا کرتے تھے) میں نے خود کئی دفعہ یہ اعتراض لوگوں کے منہ سے سنا ہے۔ اور حضرت مولوی صاحب کو اس کا جواب دیتے ہوئے بھی سنا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ اسی مسجد میں حضرت خلیفہ اول رضؓ جبکہ درس دے رہے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ بعض لوگ مجھ پر اعتراض کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ادب نہیں کرتا۔ حالانکہ میں محبت اور پیار کی شدت کے وقت یہ لفظ بولا کرتا ہوں۔ تو ظاہری الفاظ کو نہیں دیکھنا چاہیئے۔ بلکہ اُن

الفاظ کے اندر حقیقت

جو مخفی ہو۔ اسکو دیکھنا چاہیئے۔ جیسے میں نے بتایا ہے۔ بعض الفاظ معمولی ہوتے ہیں۔ مگر ان میں پیار کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہوتا ہے۔ اور بعض الفاظ اچھے ہوتے ہیں۔ مگر ان کا مضمون نہایت بُرا ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں عام طور پر جب کسی کو بے وقوف کہنا ہو۔ تو اسے بادشاہ کہہ دیتے ہیں۔ اور باتیں کرتے ہوئے اس سے کہتے ہیں۔ "بادشاہو اے کی کہندے ہو"۔ یعنی تمہاری باتیں احمقوں کی سی ہیں۔ پس جب کسی کو بادشاہ کہا جاتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ احمق ہے۔ اور اگر اگلا بادشاہ کہنے سے چڑے۔ تو کہہ دیا جاتا ہے۔ کہ میں نے اسکی اتنی تعریف کی۔ اور یہ الٹا مجھ سے ناراض ہوتا ہے۔ تو خالی الفاظ نہیں دیکھے جاتے۔ بلکہ ان الفاظ کا جو مفہوم ہوتا ہے۔ وہ دیکھا جاتا ہے۔

پس ہمیشہ کسی امر کے متعلق فتویٰ لگانے سے پہلے اس حقیقت کو معلوم کرنا چاہیئے کہ۔ جو پس پردہ کام کر رہی ہوتی ہے۔ ہر اعتراض اعتراض نہیں ہوتا۔ اور ہر تعریف تعریف نہیں ہوتی۔ قرآن کریم میں آتا ہے۔ کہ دوزخ میں جب وہ کافر روسار ڈالے جائیں گے۔ جو دنیا میں بڑے بڑے دعوے کیا کرتے تھے۔ تو انہیں کہا جائیگا۔ ذق انک انت العزیز الکریم۔ تو عذاب کا مزا چکھ۔ تُو تو بڑی شان والا اور معزز آدمی ہے۔ اب قرآن کریم میں جو یہ الفاظ آتے ہیں۔ کہ ذُق انک انت العزیز الکریم۔ اس کے معنے گو بڑی شان والے اور معزز کے ہیں۔ مگر یہ حقیقت کے لحاظ سے استعمال نہیں کئے گئے۔ بلکہ طعن کے طور پر استعمال کئے گئے ہیں۔ یعنی تو دنیا میں سمجھا کرتا تھا۔ کہ میں اتنا بڑا آدمی ہوں۔ مجھے کوئی عذاب نہیں دے سکتا۔ میں ایسا معزز ہوں۔ مجھے کوئی ذلت نہیں پہنچ سکتی۔ اب تو دیکھ کہ تیری عزت اور شان کہاں گئی۔ اور اگر تو واقعہ میں شان والا اور معزز ہے۔ تو آج تجھے یہ ذلت کیوں پہنچ رہی ہے۔ گو الفاظ ایسے استعمال کئے گئے ہیں۔ جن کے ظاہری معنے عزت اور شان کے ہیں۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مثنوی رومی کا ایک واقعہ

میں نے کئی دفعہ سنایا ہے۔ اس میں لکھا ہے۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک دفعہ جنگل سے گزر رہے تھے۔ کہ انہوں نے دیکھا۔ کہ ایک گڈریا چٹان پر بیٹھا ہؤا ہے۔ پاس اسکی بکریاں چر رہی ہیں۔ اور وہ اپنی گدڑی میں سے جوئیں دیکھتا چلا جاتا ہے۔ اور کہتا جاتا ہے۔ کہ اے اللہ۔ اگر تو مجھے مل جائے۔ تو میں تیری جوئیں دیکھوں۔ تیرے پیروں میں سے کانٹے نکالوں۔ تجھے بکریوں کا تازہ تازہ دودھ پلاؤں تو تھک جائے۔ تو تجھے دباؤں۔ اور تیری دن رات خدمت کرتا رہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ سنا۔ تو وہ بڑے ناراض ہوئے۔ اور اسے جا کر ڈانٹا اور مارا اور کہا۔ نالائق تجھے شرم نہیں آتی۔ تو اللہ تعالےٰ کی بے ادبی کرتا ہے۔ وہ ڈر کے مارے وہاں سے بھاگا۔ اس پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر الہام نازل ہؤا۔ کہ اے موسیٰ۔ تو نے ہمارے بندے کو بڑا دکھ دیا۔ اے موسیٰ۔ ہر شخص اپنی سمجھ کے مطابق بات کرتا ہے۔ جو الہامات سے تجھ پر

صفات الہٰیہ کا ظہور

ہؤا ہے۔ وہ اس گڈریا پر تو نہیں ہؤا۔ پس یہ جو کچھ کہہ رہا تھا۔ محبت کے جوش میں کہہ رہا تھا۔ اس سے زیادہ تعریفی الفاظ اس کے نزدیک اور کوئی نہیں ہو سکتے تھے۔ اور اس کا پیار انہی الفاظ میں ظاہر ہو سکتا تھا۔ کہ اے اللہ میں تیری جوئیں دیکھوں۔ میں تیرے کانٹے نکالوں۔ میں تجھے بکری کا تازہ تازہ دودھ پلاؤں۔ میں تیرے تلوے سہلاؤں میں تیرے پاؤں دباؤں۔ یہی چیزیں اس کے نزدیک اہمیت رکھتی تھیں۔ اور یہی وہ پیار کی ممتاز علامتیں سمجھتا تھا۔ تو جو کچھ اس کے پاس اپنی محبت کے اظہار کا ذریعہ تھا۔ اس سے اس نے کام لے لیا۔ پس اس کو مار پیٹ کر تو نے اسے نہیں بلکہ ہمیں دکھ دیا ہے۔ جا اور اسکو راضی کر۔

اب دیکھو بظاہر یہ کتنے بُرے لفظ ہیں۔ خدا تو الگ رہا۔ ایک

معمولی رئیس

کے متعلق بھی اگر ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں اور کہا جائے۔ کہ کاش میں تیری جوئیں نکالا کروں۔ تو وہ کہنے والے پر سخت ناراض ہوگا اور کہے گا۔ کیا تو چاہتا ہے۔ میں عقل و ہوش بالکل کھو بیٹھوں۔ اور اتنا گندہ ہو جاؤں۔ کہ سر میں جوئیں پڑ جائیں۔ اور پھر اس قدر عاجز اور لاچار ہو جاؤں۔ کہ کسی دوسرے کو صفائی کرنی پڑے۔ لیکن اللہ تعالےٰ کے حضور وہ الفاظ چونکہ ایک ایسے شخص کے تھے۔ جس کی نیت صاف تھی۔ اور وہ اپنے مافی الضمیر کو کسی اور رنگ میں ظاہر کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ اس لئے وہ قبول ہو گئے۔ اس سے زیادہ سے زیادہ یہی مطالبہ کیا جا سکتا تھا۔ کہ جن بہترین الفاظ میں وہ محبت کا اظہار کر سکتا ہے۔ ان الفاظ میں وہ خدا تعالےٰ کے متعلق محبت کا اظہار کر دے۔ سو اس نے اس مطالبہ کو پورا کر دیا۔ اس کے پاس محبت ظاہر کرنے کا یہی طریق تھا۔ کہ پاؤں میں سے کانٹے نکالے۔ بکریوں کا دودھ پلائے۔ سر میں سے جوئیں نکالے۔ پس

اللہ تعالےٰ سے محبت

کرتے ہوئے اس نے یہی طریق اختیار کیا۔ اور کہنا شروع کر دیا۔ کہ اے اللہ۔ اگر تو مجھے مل جائے۔ تو میں تجھے نہلاؤں۔ تیری گدڑی صاف کروں۔ تیرے سر میں سے جوئیں نکالوں تجھے تازہ تازہ دودھ پلاؤں۔ اور تو سو جائے تو تیرے ہاتھ پاؤں دباؤں۔ اور چونکہ اللہ تعالےٰ کسی مقدار کو نہیں دیکھتا۔ بلکہ قلب کی حالت کو دیکھتا ہے۔ اس لئے اس نے ان الفاظ کو قبول کر لیا۔ پھر بندوں کا کیا ذکر ہے۔ ہم تو دیکھتے ہیں۔ خدا تعالےٰ بھی ایسے الفاظ استعمال کر لیتا ہے۔ اور قرآن کریم اس قسم کے الفاظ سے بھرا پڑا ہے۔ کہیں اللہ تعالےٰ کے ہاتھوں کا ذکر آ جاتا ہے۔ کہیں اسکی آنکھوں کا ذکر آ جاتا ہے۔ کہیں اسکی پنڈلیوں کا ذکر آ جاتا ہے۔ اور حدیثوں میں تو خدا تعالےٰ کے بہت سے اعضاء کا ذکر آتا ہے۔ اب ان الفاظ کے یہ معنے نہیں۔ کہ خدا تعالےٰ بھی نعوذ باللہ انسان کی طرح ہے۔ یا اسکی بھی گردن ہے چہرہ ہے۔ ناک ہے۔ منہ ہے۔ کان ہیں۔ دانت ہیں۔ زبان ہے۔ حلق ہے۔ سینہ ہے۔ دل ہے۔ پھیپھڑے ہیں۔ گردے ہیں جگر ہے۔ تلی ہے۔ معدہ ہے۔ انتڑیاں ہیں۔ یہ مراد ہرگز نہیں۔ بلکہ چونکہ انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کو سمجھ نہیں سکتا۔ اس لئے بندوں کو سمجھانے کے لئے خدا تعالےٰ نے وہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔

اگر اللہ تعالےٰ بھی بندے کی حالت دیکھ کر اس بات کو جائز سمجھتا ہے۔ کہ اپنی صفات کو محدود شکل میں پیش کرے۔ تو اگر اس کا کوئی نادان بندہ اپنی ناواقفیت کی وجہ سے ان الفاظ میں اپنی محبت کا اظہار کرے۔ تو یہ قابل اعتراض بات نہ ہوگی۔ جب تک وہ

عقیدے اور حقیقت کے طور پر

بیان نہ کرے۔ ہاں اگر وہ حقیقت کے طور پر بیان کرتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ واقعہ میں اللہ تعالےٰ نعوذ باللہ ایک غلیظ ہستی ہے۔ اس کے بڑے بڑے بال ہیں۔ اور چونکہ اسے پانی نہیں ملتا۔ اس لئے بالوں میں جوئیں پڑ جاتی ہیں۔ اور ضرورت ہوتی ہے۔ کہ کوئی گڈریا اس پر مہربان ہو۔ جو اسے نہلائے۔ اور اسکی جوئیں نکالے۔ تو یہ واقعہ میں بری بات ہوگی۔ یا اگر عقیدے کے طور پر کوئی شخص بیان کرے۔ کہ اللہ تعالےٰ نعوذ باللہ کنگال ہے۔ وہ سارا دن سفر کرتا رہتا ہے۔ اس کے پاؤں میں جوتی تک نہیں ہوتی۔ اور کانٹے اس کے پیروں میں چبھ جاتے ہیں۔ اور اس بات کی ضرورت ہوتی ہے۔ کہ کوئی گڈریا اس کے کانٹے نکالے۔ تو یہ سخت معیوب بات ہوگی۔ جیسے یہ معیوب بات ہے۔ جو بعض مذاہب والوں کی طرف سے کہی جاتی ہے۔ کہ خدا بندہ بن کر نازل ہوتا ہے۔ چنانچہ بعضوں نے کہہ دیا۔ کہ وہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی شکل میں ظاہر ہؤا۔ اور بعضوں نے کہہ دیا۔ کہ وہ حضرت کرشن یا حضرت رام چندر جی کی شکل میں ظاہر ہؤا۔ آخر کیا فرق ہے اس بات میں کہ ہمارے اعلےٰ درجہ کے صوفی اس گڈریا کی تو برأت کرتے ہیں۔ مگر ان لوگوں کی تردید کرتے ہیں۔ جن کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ انسانی شکل میں حلول اختیار کرتا ہے۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ گڈریا نے بھی یہی کہا۔ کہ اللہ تعالےٰ کے ہاتھ ہیں۔ اس کے پیر ہیں۔ اس کا جسم ہے۔ اور بعض مذاہب والے بھی یہی کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ بعض انسانوں کی شکل میں تجسم اختیار کرتا ہے مگر تم ایک کے متعلق تو یہ کہتے ہو۔ کہ وہ گمراہ ہیں۔ اور ایک کے متعلق یہ کہتے ہو۔ کہ اس نے محبت کے جوش میں ایسا کہا۔ اس کا جواب یہی ہے۔ کہ گڈریا خدا تعالےٰ کو واقعہ میں ایسا نہیں سمجھتا تھا۔ مگر وہ لوگ جو

خدا تعالےٰ کے تجسم کے قائل

ہیں۔ ان کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ انسانی جسم اختیار کرتا ہے۔ پس چونکہ وہ واقعہ میں سمجھتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ دنیا میں عام انسانوں کی طرح پیدا ہوتا ہے۔ پھر بڑا ہوتا ہے۔ پھر شادی بیاہ کرتا ہے۔ پھر اس کے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ گنہگار ہوتے ہیں۔ مگر جو ناواقفیت کی وجہ سے اس رنگ میں اظہار محبت کرتا ہے۔ وہ گنہگار نہیں ہوتا۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں۔

بعض دفعہ مائیں اپنے بچوں سے

ایسا سلوک کرتی ہیں۔ جس کا ظاہر اور ہوتا ہے اور باطن اور۔ اگر کسی کو اپنا ماحول غور سے دیکھنے کا موقعہ ملا ہو۔ تو اسے کئی ایسی مثالیں نظر آئیں گی۔ کہ بعض دفعہ وہ غریب عورتیں جو امیر گھرانوں میں نوکر ہوتی ہیں۔ یا وہ غریب عورتیں جن کے اردگرد امیر لوگ ہی بستے ہیں۔ ان کا کوئی بچہ بعض دفعہ مظلومیت کے طور پر کسی امیر آدمی کے بچہ سے پٹ جاتا ہے۔ وہ بعض دفعہ تکبر کی وجہ سے بعض دفعہ شرارت کی وجہ سے اور بعض دفعہ یونہی بلاوجہ دوسرے غریب بچہ کو پیٹ ڈالتا ہے۔ ماں یہ تمام واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھتی ہے۔ وہ جانتی ہے۔ کہ میرا بچہ مظلوم ہے۔ وہ جانتی ہے۔ کہ میرے بچہ کا کوئی قصور نہیں۔ مگر وہ یہ بھی جانتی ہے۔ کہ میں بدلہ نہیں لے سکتی۔ پس وہ اپنے غصہ کا اظہار اس طرح کرتی ہے۔ کہ اپنے ہی بچہ کو پیٹنے لگ جاتی ہے وہ اسے مارتی جاتی ہے۔ مگر اس کی آنکھوں میں آنسو ہوتے ہیں۔ اور کہتی جاتی ہے۔ کہ تو وہاں گیا کیوں تھا۔ تو وہاں گیا کیوں تھا۔ اب گو بظاہر بچے کو مار پڑ رہی ہوتی ہے۔ مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ مار نفرت یا غصے کے اظہار کی علامت ہے۔ یہ مار غصے یا نفرت کے اظہار کی علامت نہیں۔ بلکہ

محبت کے اظہار کا ایک ذریعہ

ہوتی ہے۔ اگر کوئی طاقتور ماں ہو۔ تو وہ مارنے والے بچہ کی ماں سے جا کر لڑ سکتی ہے۔ اگر کوئی برابر کا خاندان ہو۔ تو وہ اس کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ مگر وہ ماں جو سمجھتی ہے۔ کہ میرے اندر مقابلہ کی طاقت نہیں۔ ادھر اس کا دل چاہتا ہے۔ کہ میں پیٹ کر اپنا غصہ نکالوں جب وہ اپنے غصہ کے اظہار کا اور کوئی ذریعہ نہیں دیکھتی۔ تو اپنے ہی بچہ کو مارنے لگ جاتی ہے۔ اور کہتی ہے۔ تو وہاں گیا کیوں تھا۔ حالانکہ وہ بچہ کو حق پر سمجھتی ہے۔ تو عقل بتاتی ہے۔ اسکی مار اس وجہ سے نہیں ہوتی۔ کہ تو وہاں کیوں گیا تھا۔ بلکہ اسکی مار اس وجہ سے ہوتی ہے۔ کہ تو نے ایسے مقام پر مجھے کیوں کھڑا کیا۔ کہ میں تیری کوئی ہمدردی نہیں کر سکتی۔ دنیا میں ماریں غصہ پیدا کرتی ہیں۔ اور بہت سی ماریں دیکھ کر تمہارے دل میں طیش پیدا ہوگا۔ اور تم چاہو گے کہ اگر تمہارا بس چلے۔ تو تم مارنے والے کو مارو اور اسے سرزنش کرو۔ لیکن اگر تمہاری

Digitized by Khilafat Library Rabwah

عقل کی آنکھیں

کھلی ہیں۔ اور اگر روحانیت کی کوئی حس تم میں باقی ہے۔ تو ایسی عورت کو مارتے دیکھ کر تمہاری آنکھوں میں آنسو آجائیں گے۔ اور تم عورت پر غصے نہیں ہوگے۔ بلکہ اپنے خدا سے کہوگے۔ کہ اے خدا کیا دنیا میں تیری ایسی بے بس مخلوق بھی موجود ہے۔ جو ظلم کا جواب کسی رنگ میں بھی نہیں دے سکتی۔ اور آخر اپنے آپ کو ہی پیٹ ڈالتی ہے۔ اب وہ مارپیٹ درحقیقت مارپیٹ نہیں ہوگی۔ بلکہ

دھواں ہوگا ماں کے دل کا

وہ غبار ہوگا اسکی بے بسی کا۔ تم اسکی ظاہری شکل پر فتوے نہیں لگا دوگے۔ بلکہ تم اس کے اندرونی احساسات اور جذبات کو دیکھوگے۔ اسی طرح جہاں تک میں سمجھتا ہوں۔ پشاور کے جس دوست کے متعلق یہ خیالات ظاہر کئے گئے ہیں۔ ان کی حالت بھی ایسی ہی ہے۔ ان کے دل میں بھی ایک جوش پیدا ہوا۔ اور جب انہوں نے دیکھا۔ کہ اب یہ جوش کسی طرح نکل نہیں سکتا۔ تو جس طرح ماں بعض دفعہ اپنے مظلوم بچے کو پیٹنے لگ جاتی ہے۔ اسی طرح وہ بھی

اپنے آدمیوں کو بُرا بھلا کہنے لگ گئے

یہ چیز ظاہر میں بُری ہوگی۔ جیسے مارپیٹ ظاہر میں بُری چیز ہے۔ جیسے یہ امثال بہر حال بُری ہیں۔ کہ میں خدا کے پیر میں سے کانٹے نکالوں اس کے ہاتھ اور پاؤں دباؤں۔ لیکن کہنے والا بُرا نہیں۔ کیونکہ اسے اپنی محبت کے جوش میں اور کوئی ذریعہ سوائے اس کے نہیں ملا۔ بہر حال فعل کا صدور محبت کے نتیجہ میں ہوا ہے کسی برائی کے نتیجہ میں نہیں ہوا۔ میرے نزدیک پشاور کے جس دوست کی باتوں پر اعتراض کیا گیا ہے۔ ان کا اظہار خیال بھی اسی قسم کا ہے۔ یعنی اپنے دل کی تکلیف کو انہوں نے غلط الفاظ میں ادا کر دیا ہے۔ ورنہ واقعہ بتاتا ہے۔ کہ اعتراض ان کے مدِ نظر نہیں تھا۔ صرف ان کے دل کے دُکھ نے کوئی رستہ نکلنے کا نہ دیکھ کر بظاہر معترضانہ شکل اختیار کر لی ہے۔ جیسے ماں بعض دفعہ اپنے بچے کو ہی پیٹنے لگ جاتی ہے۔ خواہ وہ کسی سے مظلومانہ طور پر مار کھا کر آئے۔ اسی طرح انہوں نے بھی

محبت کے رنگ میں

قادیان کے لوگوں کو دو چار صلوٰتیں سُنا دیں پھر میرے نزدیک جس دوست نے شکایت کی ہے۔ اس دوست نے بھی کوئی بُرا کام نہیں کیا۔ اس لئے کہ اس نے اپنے نقطۂ نگاہ سے اسکو دیکھا۔ جن جذبات سے معترض پُر تھا۔ ان جذبات سے رپورٹ کرنے والا پُر نہیں تھا۔ اسکی کیفیت بالکل اور قسم کی تھی۔ اور اسکی کیفیت بالکل اور قسم کی ان میں سے ایک محبت کے مقام پر کھڑا تھا۔ اور دوسرا ادب کے مقام پر۔ اور یہ دونوں مقام اپنی اپنی جگہ اچھے ہیں۔ لیکن بعض دفعہ یہ دونوں مقام ایک دوسرے کے سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ یوں اسلام نے یہ دونوں مقام جمع کئے ہیں۔ اور فرمایا ہے۔ کہ کامل ایمان اسی شخص کا ہے۔ جس میں

محبت اور ادب

دونوں جمع ہوں۔ لیکن دنیا میں عام طور پر کبھی محبت کا پہلو غالب آجاتا ہے۔ اور کبھی ادب کا پہلو غالب آجاتا ہے۔ جب محبت کا پہلو غالب ہو۔ تو وہ ادب کے سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔ اور جب ادب کا پہلو غالب ہو تو وہ محبت کے سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔ ہم روزانہ دیکھتے ہیں۔ ایک ہی قسم کے واقعات سے ایک کچھ نتیجہ نکالتا ہے۔ اور دوسرا کچھ۔ جلسہ سالانہ کے ایام میں میں نے دیکھا ہے۔ بعض لوگ آنے والوں کے متعلق یہ شکایت کرتے رہتے ہیں۔ کہ وہ کیسے ہیں۔ یہاں آتے ہیں۔ اور خلیفۃ المسیحؑ سے مصافحہ کرنے کی بھی کوشش نہیں کرتے۔ معلوم ہوتا ہے۔ ان کے دل میں

محبت کا کوئی جذبہ

نہیں۔ اور دوسرا شخص یہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی۔ کہ رات دن ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں۔ اور پھر بھی لوگ خلیفۃ المسیح کو چلنے نہیں دیتے۔ دھکے پر دھکا مارتے ہیں۔ اور یہ دونوں اپنی اپنی جگہ غصے سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ بھی سچا ہوتا ہے۔ اور یہ بھی سچا ہوتا ہے۔ مگر ان میں سے ایک ادب کے مقام پر کھڑا ہوتا ہے۔ اور وہ محبت کے مقام کو نہیں سمجھ سکتا۔ اور دوسرا محبت کے مقام پر کھڑا ہوتا ہے۔ اور وہ ادب کے مقام کو نہیں سمجھ سکتا۔ پس میں دونوں کو مخلص سمجھتا ہوں۔ درحقیقت

واقعات کی کڑی

کسی کے اخلاص میں فرق لاتی ہے۔ مثلاً اگر ہم ایک شخص کو دیکھیں۔ کہ اس نے کوئی برائی بیان کی ہے۔ تو ہم اسی وقت یہ فیصلہ نہیں کرسکیں گے۔ کہ اس نے محبت کے جذبہ کی وجہ سے یہ بُرائی بیان کی ہے۔ یا دل کے زنگ کی وجہ سے بُرائی بیان کی ہے۔ لیکن اگر ہم دیکھیں کہ ایک شخص ہمیشہ برائیاں بیان کرتا رہتا ہے۔ یا ہمیشہ جماعتی کاموں سے الگ رہتا ہے۔ تب ہم بے شک کہہ سکیں گے۔ کہ اس کے دل پر زنگ لگ چکا ہے۔ اور اس کے اخلاص میں کمی آگئی ہے۔ پس اگر واقعات کا تسلسل۔ اور ایک لمبی زنجیر بتادے۔ کہ فلاں شخص مجرم ہے تب ہم اسے مجرم سمجھیں گے۔ ورنہ محض ایک بات سنکر ہم کسی کے اخلاص سے انکار نہیں کرسکتے۔

دوسری بات جو میں بتانا چاہتا ہوں۔ یہ ہے۔ کہ

واقعات سے موجبات کو دریافت کرنا

کوئی محفوظ طریق نہیں ہوتا۔ ہم ایک واقعہ دیکھتے ہیں۔ اور بغیر اس کے کہ اصل سبب ہمیں معلوم ہو۔ ہم اس کا ایک سبب فرض کرلیتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں۔ کہ اب ہمارے لئے یہ جائز ہوگیا ہے۔ کہ ہم وہ سبب ہر جگہ بیان کرتے پھریں۔ حالانکہ ایک قسم کا نتیجہ ہمیشہ ایک ہی سبب کے نتیجہ میں پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک ہی قسم کے نتیجہ کے مختلف اسباب ہوتے ہیں۔ پیٹ درد ایک مرض ہے۔ جو بالعموم لوگوں کو ہوتا رہتا ہے۔ مگر ہر پیٹ درد ایک ہی کھانے سے نہیں ہوتا۔ بلکہ بیسیوں کھانے ایسے ہیں۔ جن کے کھانے سے پیٹ درد ہوجاتا ہے۔ پھر بیسیوں دردیں ایسی بھی ہیں۔ جو کھانے سے تعلق ہی نہیں رکھتیں۔ کسی کو چوٹ لگ جائے۔ تو اس سے بھی پیٹ درد ہوجائے گا۔ معدہ کے اعصاب میں حدت اور تیزی پیدا ہوجائے۔ تو اس سے بھی پیٹ درد ہوجائے گا۔ نیز اگر مادہ معدہ میں بڑھ جائے۔ تو اس سے بھی پیٹ درد ہوجائے گا۔ خلو معدہ سے بھی پیٹ درد ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اور بیسیوں اسباب ہیں۔ جن کے نتیجہ میں پیٹ درد پیدا ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی سمجھے۔ کہ

پیٹ درد

محض ثقیل غذا کھانے سے ہوتا ہے۔ اور جب کسی کے متعلق یہ سُنے۔ کہ اسے پیٹ درد ہے۔ تو یہ کہنا شروع کردے۔ کہ ضرور اس نے ثقیل غذا کھائی ہوگی۔ تو یہ نادانی ہوگی۔ اسی طرح ہیضہ زیادہ کھانا کھانے سے بھی ہوجاتا ہے۔ اور ہیضہ خالی معدہ رہنے کی وجہ سے بھی ہوجاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سُنایا کرتے تھے۔ کہ ایک دفعہ ہیضہ پڑا۔ ایک شخص ہیضہ میں مبتلا ہوکر مرگیا۔ جب اسکی نعش آئی۔ اور جنازہ پڑھا جانے لگا۔ تو ایک شخص بغیر اس بات کا کوئی خیال کئے کہ اس کے رشتہ داروں کو تکلیف ہوگی۔ صفوں میں ادھر ادھر دوڑتا پھرے۔ اور شور مچاتا پھرے۔ کہ ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی۔ کہ لوگوں کی عقل کو کیا ہوگیا۔ بس وہ کھانے بیٹھتے ہیں۔ تو غذا ٹھونستے چلے جاتے ہیں۔ اور اس بات کا کوئی خیال نہیں کرتے۔ کہ زیادہ کھالیا۔ تو ہیضہ ہوجائیگا۔ بس اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے۔ کھانے کا فکر رہتا ہے۔ اور پھر اتنا کھائیں گے۔ کہ حلق تک غذا ٹھونس لینگے کوئی یہ خیال نہیں کرتا۔ کہ اپنی صحت کا بھی خیال رکھا جائے۔ ہم تو ہمیشہ ایک پھلکا کھاتے ہیں۔ ہم تو ہمیشہ ایک پھلکا کھاتے ہیں ہمیں ہیضہ کیوں نہیں ہوتا۔ بس وہ ادھر ادھر دوڑتا پھرے۔ اور بار بار یہ الفاظ کہتا جائے۔ دوسرے دن پھر ایک جنازہ آیا۔ کسی نے پوچھا۔ یہ کس کا جنازہ ہے۔ کوئی دل جلا پاس کھڑا تھا۔ وہ کہنے لگا۔ یہ اُسی ایک پھلکا کھانے والے کا جنازہ ہے۔ بات یہ ہوئی۔ کہ دوسرے ہی دن اس ایک پھلکے کا شور مچانے والے کو بھی ہیضہ ہوگیا۔ اور وہ فوت ہوگیا۔ تو ہر چیز کا سبب ایک نہیں ہوتا۔ بلکہ مختلف اسباب ہوتے ہیں۔ کیونکہ ایک نتیجہ کئی موجبات سے نکل سکتا ہے۔

تناسخ کے بارہ میں

ہندوؤں نے یہی دھوکا کھایا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ دنیا میں کوئی امیر ہے۔ کوئی غریب۔ کوئی کمزور ہے۔ کوئی طاقتور۔ کوئی سفید ہے، کوئی کالا۔ کوئی بیمار ہے۔ کوئی تندرست۔ کوئی موٹا ہے۔ کوئی دبلا۔ کوئی اندھا ہے۔ کوئی سوجاکھا۔ اب یہ جو مختلف قسم کے تغیرات دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ ان کا کوئی سبب ہونا چاہیئے۔ پھر وہ خود ہی ایک سبب نکال لیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان میں اتنا عظیم الشان فرق نہیں کرسکتا تھا۔ اس لئے ضرور ہے۔ کہ پہلے جنم کے اچھے یا بُرے اعمال کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرق کیا ہو۔ اس طرح انہوں نے خود بخود ایک سبب تجویز کرکے تناسخ کا عقیدہ گھڑ لیا۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ انسانوں میں فرق ہونے کے کئی اسباب ہوسکتے ہیں۔ کسی ایک عقلی سبب کو اصل سبب قرار دینا صداقت سے محروم ہونا ہے۔ کسی نتیجہ کا اصل سبب کیا ہے۔ اس کا علم واقعہ سے ہی لگ سکتا ہے نہ کہ قیاس سے۔ اگر کوئی قیاس کریگا۔ تو وہ ضرور ٹھوکر کھائے گا۔ میں ہمیشہ کہا کرتا ہوں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کہ ہندوؤں کے اس اصل کی ایسی ہی مثال ہے جیسے رات کے وقت کوئی شخص بازار میں سے گزر رہا ہو۔ اب یہ بھی ممکن ہے۔ کہ اس کا کوئی رشتہ دار بیمار ہو۔ اور اس نے اسے کہلا بھیجا ہو۔ کہ مجھے آکر مل جاؤ۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ وہ کوئی مسافر ہو۔ جو کہیں دور سے آرہا ہو۔ مگر راستہ میں اسے دیر ہو گئی ہو۔ اور وہ اب گھر پہنچنے کے لئے جلدی جلدی جا رہا ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ وہ کوئی چور ہو۔ جو چوری کی نیت سے اس وقت پھر رہا ہو۔ اب اگر ہم اسکو دیکھ کر ان تمام قیاسات میں سے ایک قیاس کر لیں۔ کہ وہ ضرور چور ہے۔ اور اس قیاس کی بنا پر بلا تحقیق کے اسے چوری کی سزا دے دیں۔ تو یہ سخت ظلم ہوگا۔ یہی حال ہندوؤں کا ہے۔ انہوں نے بھی فیصلہ کر لیا۔ کہ چونکہ خدا تعالےٰ اپنے بندوں میں فرق نہیں کر سکتا۔ اس لئے ضرور ہے۔ کہ پہلے کسی جنم میں انسان اچھے یا بُرے اعمال کر چکا ہو۔ اور ان کی سزا یا جزاء بھگتنے کے لئے اس عالم میں آیا ہو۔ یہ نہیں دیکھا۔ کہ بنی نوع انسان میں جو تفاوت پایا جاتا ہے۔ اس کے اور بھی کئی موجبات ہو سکتے ہیں۔ صرف عقل سے ایک سبب معلوم کیا۔ اور اسی کو اصل سبب قرار دیکر اس پر عقیدہ کی بنیاد رکھدی۔ یہی ٹھوکر عیسائیوں نے کھائی ہے۔ انہوں نے بھی یہ خیال کر لیا۔ کہ خدا تعالےٰ عادل ہے۔ وہ کسی کو بغیر گناہ کے تکلیف نہیں دے سکتا۔ اور مسیح بے گناہ تھے۔ ان کو جو تکلیف پہنچی۔ وہ ضرور کسی گناہ کے سبب سے ہونی چاہیئے تھی۔ مگر چونکہ وہ گنہگار نہ تھے۔ اسلئے معلوم ہوا۔ انہوں نے اپنے ماننے والوں کے گناہ اپنے سر پر اٹھا لئے۔ اور ان پر ایمان لانیوالوں کے گناہ اس طرح معاف ہو گئے۔ انہوں نے یہ نہیں سوچا۔ کہ بے شک تکلیف گناہ کے نتیجہ میں بھی آتی ہے۔ لیکن

ہر تکلیف گناہ کے نتیجہ میں نہیں آتی

بعض تکالیف قوانین طبیعت کی خلاف ورزی سے آتی ہیں۔ بعض قوانین طبیعت کے مخالف اجتماع سے آتی ہیں۔ بعض تکالیف محض ایک تکلیف پانے والے کے قرب میں بیٹھے ہونے کے سبب سے آتی ہیں۔ بعض تکالیف انسان کے اعلیٰ اندرونی قویٰ کو ظاہر کرنے کے لئے اور اس شخص کی قیمت لوگوں پر ثابت کرنے کے لئے آتی ہیں۔ بعض تکالیف اس لئے آتی ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ انہیں دُور کر کے اپنی قدرت کو ظاہر کرے۔ غرض تکالیف کا فلسفہ ایک وسیع فلسفہ ہے۔ اور سب تکالیف ایک ہی سبب کی وجہ سے پیدا نہیں ہوتیں۔ مگر مسیحیوں نے ان تمام اسباب کو نظر انداز کر کے ایک ہی سبب قیاس کر کے اس پر اپنے عقیدہ کی بنیاد رکھدی۔ اور حضرت مسیح ناصری کے صلیبی واقعہ کو امتیوں کے گناہوں کی سزا قرار دے دیا۔

تو دوست بھی ایسی غلطیاں کر جاتے ہیں۔ لیکن عام طور پر دشمن بوجہ دشمنی کے اور بوجہ اس کے کہ تعصب کی پٹی ان کی آنکھوں پر بندھی ہوتی ہے۔ ایک سبب جو بُرا ہوتا ہے۔ لے لیتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں۔ کہ فلاں فعل کا یہی سبب ہوگا۔ یہ خیال نہیں کرتے۔ کہ ممکن ہے۔ اس کا کوئی اور سبب ہو۔ جس کی وجہ سے وہ فعل جس پر وہ معترض ہیں۔ بُرا نہ رہے۔ مجھے اس پر زیادہ زور دینے کی ضرورت اس لئے پیش آئی۔ کہ میں دیکھتا ہوں۔ ہمارے دوستوں میں سے بھی کئی ایسے ہیں۔ جو واقعات کو دیکھ کر قیاس کر لیتے ہیں۔ اور کہنے لگ جاتے ہیں۔ کہ اس کا سبب ضرور فلاں امر ہے حالانکہ ایسے موقعہ پر انسان کا قیاس سے نتیجہ نکالنا لبا اوقات اسے گناہ میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں۔ ایاک والظن فان الظن اکذب الحدیث۔ گمان سے اور خیالی باتوں سے بچ۔ کیونکہ خیال تجھکو اکثر جھوٹ میں مبتلا کر دیتا ہے۔ تو واقعات کے بارہ میں

ادلعہ لگا کر نتیجہ نکالنا

بڑا خطرناک راستہ ہے۔ اور اکثر دفعہ گمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔ گو کبھی درست نتیجہ بھی نکل آتا ہو۔ مگر چونکہ طریقہ غلط ہے۔ نتیجہ درست بھی ہو۔ تو بھی انسان بدظنی کے گناہ کا مرتکب قرار دیا جاتا ہے۔ اور خدا تعالےٰ کی کتاب میں مجرم لکھا جاتا ہے۔ یہی قیاس اسی حد تک کرنا چاہیئے۔ جس حد تک بات ہے اس سے آگے نہیں بڑھنا چاہیئے۔ اسلام کے جو محقق فقہاء گزرے ہیں۔ انہوں نے تو اس مسئلہ پر اتنا زور دیا ہے۔ کہ اسے کمال تک پہنچا دیا ہے۔ مثلاً ان میں اس بات پر بحثیں ہوئی ہیں۔ کہ اگر شریعت نے کسی بات کے متعلق قسم رکھی ہو۔ اور دوسرا شخص قسم نہیں کھاتا۔ مگر جس کے مقابلہ میں وہ کھڑا ہے وہ قسم کھا لیتا ہے۔ تو اس کے متعلق کیا فیصلہ کیا جائیگا۔

محققین فقہاء

نے کہا ہے۔ کہ دوسرے شخص کو اس وجہ سے کہ اس نے قسم نہیں کھائی۔ ہم مجرم قرار نہیں دیں گے۔ بلکہ اسے اس وقت تک بند رکھیں گے۔ جب تک وہ قسم نہیں کھاتا۔ یا اقرار نہیں کرتا۔ اور اگر وہ نہ قسم کھائے۔ نہ اقرار کرے۔ تو اسے قید تو رکھیں گے۔ مگر اس جرم کی شرعی سزا کا مستوجب اسے قرار نہیں دیں گے۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں۔ کہ اس کے قسم نہ کھانے سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ ہمیں اصل واقعہ کا پتہ نہیں لگا۔ یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ پتہ لگ گیا ہے۔ مثلاً

میاں بیوی میں ملاعنہ کی صورت

ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے۔ کہ اگر خاوند اپنی بیوی پر بدکاری کا الزام لگائے۔ اور ان کے پاس سوائے اپنی عینی شہادت کے اور کوئی گواہ موجود نہ ہوں۔ تو پھر میاں بیوی کے درمیان ملاعنہ ہوگا۔ اور چار چار گواہوں کی جگہ ان سے چار چار دفعہ قسمیں لی جائینگی۔ اب اگر مرد قسم کھا جائے۔ مگر عورت نہ کھائے۔ تو فقہاء نے بحث کی ہے۔ کہ اس صورت میں کیا کیا جائے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ جس نے قسم نہیں کھائی۔ ہم اسے مجرم سمجھینگے۔ مگر بہتوں نے کہا ہے۔ کہ ہم اسے مجرم نہیں سمجھیں گے۔ بلکہ اس وقت تک اسے قید رکھیں گے۔ جب تک وہ قسم نہ کھائے یا اقرار نہ کرے۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں۔ کہ اس فعل سے شبہ پیدا ہوتا ہے۔ جرم ثابت نہیں ہوتا۔ تو قیاس سے کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ کیونکہ ممکنات کئی ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ ضد میں آکر انسان کہدیتا ہے۔ کہ میں قسم نہیں کھاؤں گا۔ اور بعض دفعہ کسی اور وجہ سے قسم نہیں کھاتا۔ پس وہ کہتے ہیں ایسی حالت میں ہم اسے صرف قید رکھیں گے کسی نے کہا۔ قید کیوں کروگے۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ اسلئے کہ شریعت کہتی ہے۔ قسم کھاؤ۔ اور چونکہ اس نے قسم نہیں کھائی اس لئے ہم اسے

شریعت کی نافرمانی کا مجرم

تو قرار دے سکتے ہیں۔ مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ قسم نہ کھانے کی وجہ سے وہ جرم ثابت ہو گیا ہے۔ جس کے فیصلہ کرنے کے لئے قسم رکھی گئی تھی۔

ہمارے دشمنوں نے بھی صرف یہ دیکھ کر کہ میاں عزیز احمد جو ایک غریب آدمی تھے۔ ان کے مقدمہ کی ہائیکورٹ میں اپیل ہوئی اور شیخ بشیر احمد صاحب پیش ہوئے۔ اور پھر پریوی کونسل میں اپیل ہوئی۔ یہ قیاس کر لیا۔ کہ جماعت جھوٹ بولتی ہے۔ اور ضرور اندرونی طور پر ہزاروں روپیہ انہوں نے خرچ کیا ہے۔ بلکہ دشمن تو دشمن رہے

ہماری جماعت کے بعض منافقین

نے بھی جن کے متعلق ہمارے پاس رپورٹیں پہنچ چکی ہیں۔ مگر ابھی میں نے ان کے اخراج کا اعلان نہیں کیا اپنی مجلسوں میں یہ کہنا شروع کر دیا۔ کہ ہزاروں روپیہ ان مقدمات پر جماعت نے خرچ کیا ہے۔ حالانکہ جیسا کہ اعتراض کے جواب میں میں بتاؤں گا۔ ان کا یہ تخمینہ بالکل غلط ہے۔ انہوں نے فرض کر لیا۔ کہ جماعت کی مدد کے بغیر یہ کام نہیں ہو سکتا تھا۔ اور پھر خود بخود یہ نتیجہ نکال لیا۔ کہ ضرور جماعت نے اسکی مدد کی ہے۔ حالانکہ واقعہ بالکل اور ہے۔ اس وقت میں جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ کہ اس قسم کی غلطیوں کے نتائج نہایت ہیبتناک ہوتے ہیں۔ تم واقعات کو دیکھ کر اس امر کے مجاز نہیں۔ کہ کہہ سکو۔ اس واقعہ کا فلاں سبب ہے۔ کیونکہ ایک واقعہ کے کئی موجبات ہو سکتے ہیں۔ پھر جس طرح واقعہ کے ثبوت کے لئے گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح کسی واقعہ کا موجب بیان کرنا بھی اس وقت تک ہمارے لئے جائز نہیں ہو سکتا۔ جب تک اس موجب کا ثبوت ہمارے پاس مہیا نہ ہو۔

تیسرا اصل

یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ انسانی افعال کا اثر جو دلوں پر پڑتا ہے۔ وہ صرف ان کے اچھے یا بُرے ہونے کی نسبت سے نہیں پڑتا۔ بلکہ قلوب کا انفعال بعض اور متعلقہ واقعات کو مدِ نظر رکھ کر پیدا ہوتا ہے۔ یعنی کسی کی چوری دیکھ کر یا اس کا ذکر دوسرے کی زبان سے سنکر یا کسی کو قتل ہوتے دیکھ کر یا اس کا ذکر دوسرے کی زبان سے سنکر یا کسی کو غیبت کرتے دیکھ کر یا اس کا ذکر دوسرے کی زبان سے سنکر ہمارے دل پر جو اثر پیدا ہوتا ہے۔ وہ فعل کی برائی کی نسبت سے نہیں ہوتا۔ بلکہ قلوب میں جو اثرات پیدا ہوتے ہیں۔ وہ اور بہت سے امور متعلقہ کے مجموعی اثر کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ لبا اوقات ایک بڑی چوری ہوگی۔ مگر جب تم اس کا ذکر سنوگے۔ تو تمہارے دل پر زیادہ بُرا اثر نہیں پڑیگا۔ اور لبا اوقات ایک چھوٹی چوری ہوگی۔ مگر جب تم اس کا ذکر

Digitized by Khilafat Library Rabwah

سنو گے۔ تو تمہارا دل اسکی برائی کو بہت زیادہ محسوس کریگا۔ کیونکہ گو پہلی چوری بڑی تھی۔ مگر متعلقہ امور نے اسے بڑا نہیں بنایا۔ اور گو دوسری چوری بڑی نہیں۔ مگر متعلقہ امور نے اسے بھیانک بنا دیا ہے۔ تو تمام افعال خواہ وہ اچھے ہوں یا بُرے بدیاں ہوں۔ یا نیکیاں۔ انسانی قلب پر جو اثر پیدا کرتے ہیں۔ وہ ظاہری حالات کے مطابق نہیں کرتے۔ بلکہ اور بہت سے متعلقہ امور ہوتے ہیں۔ جن کی وجہ سے انسان ان سے زیادہ یا کم متاثر ہوتا ہے۔ قدیم عربی زبان میں اسے

انفعال یا تأثر

کہتے ہیں۔ گویا ہر فعل کے مقابلہ میں ایک حرکت ہمارے دل اور دماغ میں پیدا ہوتی ہے۔ نئی عربی میں اسے رَدُّ العمل انگریزی میں ری ایکشن اور اردو میں بھی جدید عربی کی نقل میں ردِ عمل کہتے ہیں۔ اور یہ ردِ عمل ہر فعل کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے۔ تم اگر کسی جگہ کھڑے ہو۔ اور تمہارا کوئی دوست تمہارے پیٹ کی طرف یکدم اپنی انگلی زور سے لے آئے۔ تو باوجود یہ جاننے کے کہ وہ تمہارا دوست ہے۔ اور باوجود یہ جاننے کے کہ اس کے ہاتھ میں چاقو نہیں۔ تمہارا پیٹ کچھ پیچھے کو کھنچ جائے گا۔ اور یہ جواب ہوگا۔ جو طبعی طور پر تمہارا پیٹ دیگا۔ اسی طرح جب تم کسی کے منہ سے کوئی بات سنو گے۔ تو اس کے مقابلہ میں تمہارے دل میں ایک اثر پیدا ہوگا۔ بعض دفعہ وہ اثر اچھا ہوگا۔ اور بعض دفعہ بُرا۔ اگر بُرا اثر ہے۔ تو یہ سوال پیدا ہوگا۔ کہ تم اسے ہر صورت میں بُرا سمجھتے ہو۔ یا بعض صورتوں میں۔ اور اگر اچھا اثر ہے۔ تو پھر بھی یہ دیکھا جائے گا۔ کہ تم اسے ہر صورت میں اچھا سمجھتے ہو۔ یا بعض صورتوں میں۔ اسی طرح اگر تم کسی فعل کو بُرا سمجھتے ہو۔ تو یہ دیکھا جائے گا۔ کہ اس کے نتیجہ میں تمہارے دل میں غصہ پیدا ہوتا ہے یا نفرت پیدا ہوتی ہے۔ یا رحم پیدا ہوتا ہے اور اگر تم کسی فعل کو اچھا سمجھتے ہو۔ تو باوجود اچھا سمجھنے کے تمہارے دل میں محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ یا نفرت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ

ردِ عمل کی مختلف حالتیں

ہیں۔ جو انسانی قلب میں پیدا ہوتی ہیں۔ کبھی کوئی حالت پیدا ہوگی۔ اور کبھی کوئی۔ یہ نہیں ہوگا۔ کہ ہمیشہ ایک اثر پیدا ہو۔ بلکہ مختلف بُرے اعمال کے نتیجہ میں مختلف اثرات پیدا ہوں گے۔ مثلاً ایک شخص بھوکا مر رہا تھا۔ اس نے کسی دوسرے شخص کی روٹی اٹھا کر کھالی۔ اب یہ چوری ہے۔ جو اس نے کی۔ اور اس کا یہ فعل بہرحال بُرا ہے۔ مگر اس چوری کا ذکر سنکر تمہارے دل میں صرف غصہ نہیں۔ بلکہ رحم بھی پیدا ہوگا کیونکہ اس کا محرک ایک مجبوری تھی۔ یعنی چونکہ وہ بہت تنگ حال تھا۔ اس لئے مجبور ہو کر اس نے دوسرے کی روٹی کھالی۔ پس جو خارج میں افعال پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا جو جواب دل میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ مفرد نہیں بلکہ مرکب ہوتا ہے۔ اور بہت سی وجوہات سے مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ کبھی ایک اچھے کام کے مقابلہ میں بھی دل میں نفرت پیدا ہو جاتی ہے مثلاً ایک شخص نے دوسرے سے دس روپے لینے ہیں۔ اب یہ اس کا حق ہے۔ اور وہ اس کا ہر وقت تقاضا کر سکتا ہے۔

لیکن فرض کرو

جس شخص سے اس نے دس روپے لینے ہیں۔ وہ سخت تنگدست ہے۔ اس کے پاس صرف پانچ سات مرغیاں ہیں۔ جن کے انڈے بیچ بیچ کر وہ اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پالتا ہے۔ اب اگر یہ جاکر اسکی مرغیاں اٹھا لیتا اور اس کے انڈوں پر قبضہ کر لیتا۔ اور اس کے گھر کی ایک دو اور چیزیں بھی ان روپوں کے بدلہ میں لے لیتا ہے۔ اور قانون کی مدد سے قرق کرا کے لیتا ہے۔ تو کوئی قانون اسے مجرم قرار نہیں دے گا۔ اور تم بھی اس کے اس فعل کو بُرا نہیں کہو گے۔ کیونکہ اس نے اپنا ایک حق حاصل کیا۔ مگر یہ فعل دیکھ کر تمہارے دل میں محبت نہیں نفرت پیدا ہوگی۔ جب ایک بھوکے شخص نے دوسرے کی روٹی چرالی تھی۔ تو گو تم اس فعل کو بُرا کہہ سکتے تھے۔ مگر اس مجرم کے متعلق رحم بھی پیدا ہوتا تھا۔ مگر اس فعل کو تم یوں تو جائز کہو گے۔ مگر اس کے مرتکب کے بارہ میں ساتھ ہی نفرت بھی پیدا ہوگی۔ حالانکہ اس نے اپنا حق حاصل کیا۔ حکومت کے کہنے پر لیا۔ اور سپاہی کو ساتھ لے کر لیا۔ مگر باوجود ان تمام باتوں کے تمہارے دل میں اس سے ہمدردی نہیں ہوگی۔ تمہارے دل کی ہمدردی اسی شخص کے ساتھ ہوگی جس نے دوسرے کا مال کھا لیا۔ اس کے مقابلہ میں جس شخص نے چوری کی تھی۔ اس کا فعل گو بُرا ہے۔ مگر تمہارے دل میں اس سے نفرت پیدا نہیں ہوگی۔ بلکہ اگر تمہارا دل ٹھیک ہے۔ اور تمہارا دماغ درست ہے۔ تو تمہارے دل میں رحم پیدا ہوگا۔ پس خارجی اعمال کے مقابلہ میں

قلوب کا انفعال ایک بسیط امر نہیں بلکہ مرکب امر ہے

لیکن جہاں تک قضا کا تعلق ہے۔ ہماری کوشش یہی ہونی چاہیئے۔ کہ نفس واقعہ سے ہم ادھر ادھر نہ ہوں۔ اگر ایک چور چوری کر کے آتا ہے۔ اور ہم قاضی ہیں۔ تو ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم اسے سزا دیں۔ اگر ایک قاتل قتل کر کے آتا ہے۔ تو ہمارا فرض ہے۔ کہ اس کے فعل سے بیزاری کا اظہار کریں۔ اگر کوئی دوسرے سے کچھ روپیہ وصول کرنے کا حق رکھتا ہے۔ تو ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم وہ روپیہ وصول کرانے میں اسکی مدد کریں۔ پس

قضاء کے سلسلہ میں ہمارا فرض

ہے۔ کہ ہم نفس واقعہ سے کبھی ادھر ادھر نہ ہوں۔ گو اس میں بھی بعض دفعہ مجبوری پیدا ہو جاتی ہے۔ اور قضا میں واقعات کی مجبوری کو تسلیم کر کے دوسرے واقعات کو مدنظر رکھ لینا پڑتا ہے جیسے قانون انگریزی میں یہ بات داخل ہے۔ کہ اگر نہایت اشتعال کی حالت میں کوئی شخص قتل کر دے تو اسے پھانسی کی سزا نہیں دیتے۔ بلکہ عمر قید کی سزا دیتے ہیں۔ کیونکہ جج کہتے ہیں۔ یہ

ایک قسم کی دیوانگی

ہے۔ جس کے نتیجہ میں اس نے اس فعل کا ارتکاب کیا۔ ہم اسے قاتل سمجھتے۔ اور اس کے وجود کو سوسائٹی کے لئے مضر سمجھتے ہیں۔ مگر ہم اسے پھانسی کی سزا نہیں دے سکتے کیونکہ اس نے انتہائی مجبوری کی حالت میں سخت مشتعل ہو کر اس فعل کا ارتکاب کیا۔ چنانچہ وہ اسے عمر قید کی سزا دے دیتے ہیں۔ یا دس بارہ سال قید کی سزا دے دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ قاتل ہوتا ہے۔ مگر اسکی دماغی طور پر جو مجبوری کی حالت ہوتی ہے۔ اسے قانون تسلیم کرتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ اس قسم کے فیصلے بہت محدود ہونے چاہئیں۔ ورنہ انصاف کا خون ہو جائیگا۔ اسی لئے قتل کے مقدمات میں بہت شاذ اس قانون کو استعمال کرتے ہیں۔ عام طور پر قتل کی سزا میں پھانسی کی سزا ہی تجویز کرتے ہیں۔ تو گو قضاء کے لحاظ سے کوشش یہی ہونی چاہیئے۔ کہ نفس واقعہ سے انسان ادھر ادھر نہ ہو۔ مگر اس میں بعض دفعہ مجبوری بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ شدید اشتعال کی حالت میں قتل کی مثال میں نے بیان کی ہے۔ یا جیسا کہ حال میں ہائی کورٹ کا ایک فیصلہ ہوا ہے۔ جس میں اسی بات پر عمل کیا گیا ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے۔ کہ بٹالہ کے ایک مجسٹریٹ نے ایک مقدمہ کے دوران میں یہ لفظ کہے۔ کہ مسلمان جو حضرت باوا نانک رحمۃ اللہ علیہ کو مسلمان کہتے ہیں۔ یہ سکھوں کو بُرا لگتا ہے۔ اور یہ ایسا ہی ہے۔ جیسے نعوذ باللہ کوئی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو کافر کہدے۔ "الفضل" نے اس پر بعض مضامین لکھے۔ جن میں مجسٹریٹ کے اس رویہ کے خلاف احتجاج کیا۔ اور لکھا کہ یہ بہت ناشائستہ الفاظ ہیں جو مجسٹریٹ نے کہے ہیں اس کے متعلق باز پرس ہونی چاہیئے۔ اس پر گورنمنٹ نے ہائی کورٹ میں الفضل کے خلاف اس بنا پر مقدمہ چلا دیا۔ کہ اس کے ایڈیٹر اور پرنٹر و پبلشر نے

عدالت کی ہتک

کی ہے۔ اور انہیں سزا ملنی چاہیئے۔ کیونکہ انہوں نے مجسٹریٹ کے متعلق یہ لکھ دیا ہے کہ اس نے ناشائستہ الفاظ کہے ہیں۔ ہائیکورٹ والوں نے اس کے متعلق پہلے کچی پیشی رکھی۔ دو جج سماعت کے لئے موجود تھے۔ ایک مسٹر جسٹس ایڈلیسن صاحب اور دوسرے مسٹر جسٹس دین محمد صاحب گورنمنٹ کی طرف سے اس کا سب سے بڑا وکیل ایڈووکیٹ جنرل پیش ہوا۔ اور اس نے ہائی کورٹ کو توجہ دلائی۔ کہ ایڈیٹر الفضل کو بلا کر باز پرس کرنی چاہیئے۔ اور ہتک عدالت کے جرم میں اسے سزا دینی چاہیئے۔ جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے ہائی کورٹ کے ججوں نے اس موقعہ پر

ایڈووکیٹ جنرل کی تقریر

سننے کے بعد کہا۔ کہ یہ جرم اصطلاحی جرم ہے ہم مانتے ہیں۔ کہ مضامین میں جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ یہ استعمال نہیں کرنے چاہیئے تھے۔ مگر جو الفاظ مجسٹریٹ نے استعمال کئے ہیں۔ ان کو سنکر بھی ایک مسلمان کا بے قابو ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ پس اگر آپ زور دیتے ہیں۔ تو ہم اسے بلا تو لیں گے مگر یہ جرم صرف اصطلاحی جرم ہوگا۔ اور ہم اسے صرف نام کی سزا دیں گے۔ مگر اس کے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ساتھ ہی ہم

نہایت سخت ریمارکس

مجسٹریٹ کے متعلق اپنے فیصلہ میں لکھیں گے اس پر گورنمنٹ ایڈووکیٹ کچھ ڈھیلے ہوئے اور ججوں نے ان الفاظ میں فیصلہ کر دیا۔ کہ ہم سمجھتے ہیں۔ اگر ہم نے ایڈیٹر "الفضل" کو بلایا۔ تو ہم اسے سزا دینے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ اس لئے اس مقدمہ کو خارج کرتے ہیں۔ گویا انہوں نے ایک طرف جرم کو تسلیم کیا۔ مگر ساتھ ہی کہا۔ کہ حالات ایسے ہیں۔ کہ ہماری ہمدردی مجرم کی طرف جا رہی ہے۔ اور صاف کہہ دیا۔ کہ اگر ہم اسے بلائیں گے۔ تو صرف نامی نل سزا دیں گے۔ مگر دوسرے کے متعلق ہمارا رویہ سخت اظہار نفرت کا ہوگا۔ اس لئے یہی بہتر ہوگا کہ اسی مرحلہ پر اس مقدمہ کو چھوڑ دیا جائے چنانچہ انہوں نے مقدمہ خارج کر دیا۔ اس فیصلہ کے ساتھ ججوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ قانون انصاف اور انسانیت کے اعلےٰ اخلاق بیک وقت ایک وجود میں جمع ہو سکتے ہیں۔ اور ایسے ہی فیصلے ہوتے ہیں۔ جو قضاء کے رعب کو دنیا میں قائم کرتے ہیں۔ قضا کا رعب صرف پھانسیاں دیتے جانے سے نہیں ہوتا۔ بلکہ ایسے فیصلوں سے ہوتا ہے۔ جہاں انسانی فطرت کا مطالعہ کر کے صحیح راستہ اختیار کیا جائے۔ خواہ سختی کا ہو۔ خواہ نرمی کا۔

تو فیصلوں کے لحاظ سے ہمارا پورا فرض ہے۔ کہ جو جرم ہے۔ اسے جرم کہیں۔ اور جو نیکی ہے۔ اسے نیکی کہیں۔ لیکن جب ہم

جذبات کی دنیا

میں آتے ہیں۔ تو معاملہ بہت زیادہ پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ہر شخص کے اندر اللہ تعالیٰ نے دو مجسٹریٹ پیدا کئے ہیں۔ ایک دماغی مجسٹریٹ ہوتا ہے۔ اور ایک جذباتی مجسٹریٹ ہوتا ہے۔ دماغی مجسٹریٹ کا کام زیادہ آسان ہوتا ہے۔ مگر جذباتی مجسٹریٹ کا فیصلہ بہت پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ جب انسان دماغی مجسٹریٹ کے بعد جذباتی مجسٹریٹ کے محکمہ میں آتا ہے۔ تو چونکہ انسانیت قضاء کے ذریعہ سے اپنا حق ادا کر چکی ہے۔ اس لئے اب وہ

چھلکے کو چھوڑ کر مغز کی طرف توجہ

کرتی ہے۔ اور اب وہ بسیط مسئلہ ایک پیچیدہ سوال کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اب صرف یہ سوال نہیں ہوتا۔ کہ زید نے چوری کی ہے۔ یا نہیں۔ بلکہ یہ سوال ہوتا ہے۔ کہ اس نے کیوں چوری کی۔ اب صرف یہ سوال نہیں ہوتا۔ کہ زید نے مارا پیٹا ہے۔ یا نہیں۔ بلکہ یہ سوال ہوتا ہے۔ اگر اس نے مارا ہے۔ تو کیوں؟ اسی طرح صرف یہ سوال نہیں ہوتا۔ کہ زید نے کسی کو بُرا بھلا کہا ہے یا نہیں بلکہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اس نے اگر بُرا بھلا کہا ہے۔ تو کیوں کہا ہے۔ تو جذبات کی دنیا میں بہت سی باتیں سامنے آجاتی ہیں۔ مثلاً یہی کہ فعل کے محرکات کیا ہیں۔ اس نے کن حالات میں اس فعل کا ارتکاب کیا ہے۔ اسے کسی نے انگیخت کی ہے یا نہیں۔ اور اگر کسی نے انگیخت کی تھی۔ تو وہ معمولی انگیخت تھی۔ یا زبردست۔ اور وہ اس انگیخت کا آسانی سے مقابلہ کر سکتا تھا۔ یا نہیں۔ پھر یہ کہ فاعل کا ماحول کیسا تھا۔ اور اگر اس نے بدی کی۔ تو کن حالات میں کیونکہ ماحول سے بھی کسی کی مجبوری یا عدم مجبوری ظاہر ہو جاتی ہے۔ ایک شخص نمازی ہوتا ہے۔ مگر نمازیوں کے گھر میں۔ اور دوسرا شخص نمازی ہوتا ہے۔ مگر بے نمازیوں کے گھر میں۔ اب یہ یقینی بات ہے۔ کہ اسکی نماز زیادہ اعلےٰ درجہ کی ہے۔ جو بے نمازوں میں رہ کر باقاعدہ نماز پڑھتا ہے۔ بہ نسبت اس شخص کے جو ایسے ماحول میں ہے۔ جہاں تمام لوگ التزام کے ساتھ نماز پڑھنے کے عادی ہیں۔ اسی طرح اسکی مجبوریاں دیکھی جائیں گی۔ اس کا نکتۂ نگاہ دیکھا جائیگا۔ کیونکہ نکتۂ نگاہ کے بدل جانے سے بھی بہت بڑا فرق پڑ جاتا ہے۔ اور پھر گو جرم رہ جاتا ہے مگر اس کے متعلق نفرت کم ہو جاتی ہے۔ جیسے پٹھانوں میں یہ دستور ہے۔ کہ جب ان میں سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے۔ تو وہ اٹھ کر اسے قتل کر دیتے ہیں۔ اور اسے بالکل جائز سمجھتے ہیں۔ اب ایک ہی فعل اگر ایک پٹھان کریگا۔ تو گو اس کے متعلق بھی ہمارے دل میں نفرت پیدا ہوگی۔ جب ایک پنجابی ایسی ہی حرکت کریگا۔ کیونکہ

پنجابی کا نکتۂ نگاہ

اور تھا۔ اور پٹھان کا اور۔ یا سکھ اور عیسائی سؤر کھاتے ہیں۔ اور ہم سب اسے جانتے ہیں۔ اب سؤر کھانا یقینی طور پر بری بات ہے۔ مگر ایک سکھ یا عیسائی کو سؤر کھاتے دیکھکر ہمارے دل میں وہ جذبات نفرت پیدا نہیں ہوں گے۔ جو ایک مسلمان کو سؤر کھاتے دیکھ کر پیدا ہوں گے۔ حالانکہ فعل ایک ہی ہے۔ وہ بھی سؤر کھا رہا ہے۔ اور یہ بھی سؤر کھا رہا ہے ایک ہندو نماز نہیں پڑھتا۔ اور ہم جانتے ہیں۔ کہ یہ بُری بات ہے۔ مگر ایک ہندو کو نماز نہ پڑھتے دیکھ کر ہمارے دل میں وہ نفرت پیدا نہیں ہوگی۔ جو ایک مسلمان کو نماز نہ پڑھتے دیکھ کر پیدا ہوگی۔ کیونکہ ان دونوں کے نکتۂ نگاہ میں فرق ہے۔ وہ نماز پڑھنا ضروری نہیں سمجھتا۔ اور یہ نماز کو ضروری سمجھنے کے باوجود سستی کی وجہ سے نماز نہیں پڑھتا پھر اسکی تعلیم کو دیکھا جائے گا۔ کہ وہ پڑھا لکھا ہے۔ یا جاہل اس کے

پسماندگان کی حالت

دیکھیں گے۔ کہ کیسی ہے۔ کیونکہ یہ بات بھی جذبات کو بالکل بدل دیتی ہے۔ اگر ایک بڑے سے بڑا ڈاکو ہو۔ اور فرض کرو۔ اسکی بیوی مری ہوئی ہے۔ اور اس کا صرف ایک ہی بچہ ہے۔ اور وہ بھی چار یا پانچ سال کا۔ اور پھر وہ بھی آنکھوں سے اندھا۔ تو جس وقت اس ڈاکو کو پھانسی پر لٹکایا جا رہا ہو اور اس کا بیکس یتیم اور اندھا بچہ رو رہا ہو۔ اس وقت تم میں سے کون ہے۔ جس کا دل رحم سے نہیں بھر جائیگا۔ پس پسماندگان کی حالت بھی قلبی کیفیات کو بدل دیتی ہے۔ اسی طرح اس کے دوسرے افعال کو بھی دیکھنا پڑے گا۔ ایک وہ ہوتا ہے۔ جو عادی طور پر چوری کرتا ہے۔ اور ایک وہ ہے۔ جو یوں تو بڑا نیک تھا۔ مگر کسی بات سے مجبور ہو کر انتہائی لاچاری کی حالت میں اس نے چوری کر لی۔ یا ایک وہ ہے۔ جو ہمیشہ دوسروں سے لڑتا رہتا ہے۔ اور دوسرا وہ ہے۔ جو ہے تو بڑا رحمدل۔ مگر اتفاقی طور پر ایک دفعہ جوش میں آکر وہ دوسرے سے لڑ پڑا ہے۔ اب گو ان دونوں سے ایک ہی قسم کا جرم سرزد ہوا ہو۔ مگر ایک کے متعلق ہمارے جذبات بالکل اور قسم کے ہوں گے۔ اور دوسرے کے متعلق ہمارے اور قسم کے ہوں گے۔ پھر جس کے خلاف حملہ ہوا ہے۔ اس کے حالات اور اس کے پسماندگان کے حالات بھی دیکھے جائیں گے۔ لنظاہر جس طرح ایک آدمی قتل ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسرا آدمی بھی قتل ہوتا ہے۔ مگر ایک آدمی ایسا ہوتا ہے۔ جس پر

ملک کا انحصار

ہوتا ہے۔ اور دوسرا آدمی معمولی اور نکما ہوتا ہے۔ ایک کے قتل ہونے پر اتنا شور پڑتا ہے۔ کہ تمام ملک ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک ہل جاتا ہے۔ اور دوسرے آدمی کے قتل ہونے پر کسی کو خبر تک نہیں ہوتی۔ اب کیا کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ یہ دونوں فعل اپنے اثرات کے لحاظ سے یکساں ہیں۔ پنڈوڑہ میں ایک چوہڑہ دوسرے چوہڑے کو قتل کر دیتا ہے۔ تو گاؤں سے باہر اس کے قتل ہونے کی خبر تک نہیں جاتی۔ مگر ملک کا کوئی خادم مارا جاتا ہے۔ تو تمام ملک اس آواز سے گونج اٹھتا ہے۔ بے شک ایسے موقع پر ایک چوہڑے کے قاتل کو بھی وہی سزا ملے گی۔ جو ایک خادم ملک کے قاتل کو ملے گی۔ مگر ہمارے قلب کا فیصلہ صرف جرم کے لحاظ سے نہیں ہوگا۔ بلکہ ان اثرات کے لحاظ سے ہوگا۔ جو ان قتلوں کے نتیجہ میں پیدا ہوئے ہیں۔ پس جہاں تک قضاء کا تعلق ہے۔ وہاں دونوں کو یکساں سزا ملے گی۔ مگر جہاں جذبات اور احساسات کا سوال آجائے گا۔ وہاں ان دونوں قتلوں کے

تاثرات میں زمین و آسمان کا فرق

ہوگا۔

پھر یہ بھی دیکھا جائے گا۔ کہ جس پر حملہ ہوا ہے۔ وہ حملہ ہونے کے وقت جواب دینے کے قابل تھا یا نہیں۔ آیا اس پر ایسی حالت میں حملہ تو نہیں ہوا۔ جبکہ وہ سو رہا تھا۔ یا اسے رسیوں سے باندھ کر آگ میں تو نہیں جلایا گیا۔ اور اگر ہمیں معلوم ہوا۔ کہ اس پر سوتے ہوئے حملہ کیا گیا ہے۔ یا رسیوں سے باندھ کر آگ میں جلایا گیا ہے۔ اور اس طرح بے بسی کی حالت میں اسے قتل کیا گیا ہے۔ تو اس قسم کے جرائم زیادہ خطرناک سمجھے جائیں گے۔ پھر یہ بھی دیکھا جائے گا۔ کہ آگے سے اس نے یا اس کے ساتھیوں نے کوئی جواب دیا ہے۔ یا نہیں۔ غرض جذبات کی دنیا میں معاملہ زیادہ پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ اور اب صرف فعل نہیں۔ بلکہ فعل کے محرکات۔ فاعل کا ماحول۔ اسکی مجبوریاں۔ اس کا نقطۂ نگاہ۔ اسکی تعلیم۔ اس کے پسماندگان کی حالت۔ اس کے دوسرے افعال جس کے خلاف حملہ ہوا ہے۔ اس کے حالات۔ اس کے پسماندگان کے حالات۔ اگر وہ ہلاک ہوا ہے۔ تو دنیا کو جو اسکی ہلاکت سے نقصان پہنچا ہے۔ اس کا اندازہ حملہ ہونے کے وقت وہ جواب دینے کے قابل تھا یا نہیں۔ آگے سے اس نے یا اس کے ساتھیوں نے کوئی جواب دیا۔ یا نہیں۔ بیسیوں باتیں ہیں۔ جو سامنے آجاتی ہیں۔ اور ان بیسیوں باتوں کا جو مشترک نتیجہ ہوگا۔ وہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ہمارے دل کا ردعمل

ہوگا۔ اسی وجہ سے بعض دفعہ ایک بُرے فعل کو ہم بُرا کہتے ہیں۔ مگر دل میں اس فعل کا ارتکاب کرنے والے سے ہمدردی بھی پیدا ہوتی ہے۔ اور بعض دفعہ ظاہری نگاہ سے اچھا نظر آنے والے ایک فعل کو ہم اچھا کہتے ہیں۔ مگر دل میں اس فعل کا ارتکاب کرنے والے کے متعلق نفرت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ پھر ان میں درجوں کا فرق ہوگا۔ کسی وقت ہماری ہمدردی بہت زیادہ ہوگی۔ اور کسی وقت کم کسی وقت زیادہ نفرت ہوگی۔ اور کسی وقت تھوڑی۔ غرض جس وقت جذبات فیصلہ کرنے لگتے ہیں۔ اور وہ چھلکے کو چھوڑ کر مغز کی طرف آتے ہیں۔ اس وقت اصل واقعہ ایک وسیع کُل کا چھوٹا سا جزو ہوکر رہ جاتا ہے۔ اور قلبی تاثرات سارے کل کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ خالی واقعہ کے ایک جزو کا نتیجہ نہیں ہوتے۔ جب ہم

قضاء کی کرسی

پر بیٹھیں گے۔ تو قتل کا واقعہ ایک عمارت کی شکل میں ہمارے سامنے ہوگا۔ مگر جب ہم جذبات کی کرسی پر بیٹھیں گے۔ تو وہی عمارت ایک کھڑکی یا کنڈا بن کر رہ جائے گی۔ اور یہ تاثرات جو دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ اگر واقعات کے طبعی نتائج ہوں۔ یعنی انصاف کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے تمام باتوں کو سوچا ہو۔ اور ان کے ماتحت ہمارے دل میں ایک تاثر پیدا ہوا ہو۔ تو ایسے تاثرات کبھی قابل اعتراض نہیں کہلا سکتے۔ بشرطیکہ ان تاثرات کو قضاء میں دخل انداز نہ ہونے دیا جائے۔ چنانچہ ایسے واقعات عدالتوں میں بھی کثرت سے ہوتے ہیں۔ کچھ مدت کی بات ہے۔ لاہور کے ایک انگریز جج نے ایک شخص کو سزا دی۔ مگر فیصلہ میں لکھا۔ کہ میں اسے قانونی سزا دیتا ہوں۔ ورنہ میرے نزدیک یہ جرم اس نوعیت کا نہیں کہ اسے یہ سزا دی جائے۔ مگر چونکہ قانون کہتا ہے۔ کہ سزا دو۔ اس لئے میں اسے اتنے روپے جرمانہ کی سزا دیتا ہوں۔ جرمانہ کرنے کے بعد اس نے نوکر کو بلایا اور کہا۔ میرا کوٹ جو فلاں کھونٹی پر لٹک رہا ہے۔ وہ لے آؤ۔ چنانچہ وہ کوٹ لایا۔ اور اس جج نے جیب میں سے اتنا روپیہ نکال کر جتنا اس نے جرمانہ کیا تھا۔ ملزم کی طرف سے خزانے میں داخل کرا دیا۔ اب دیکھو ایک ہی وقت اس نے دونوں اُمور کو ملحوظ رکھا۔ اس نے جرمانہ کیا قضاء کے تقاضا کو پورا کرنے کے لئے اور اس نے جرمانہ خود ادا کیا۔ اپنے جذبات کو تسلی دینے کے لئے۔

وکٹر ہیوگو فرانس کا ایک مشہور مصنف گزرا ہے۔ بلکہ موجودہ دورِ تصنیف کا وہ بادشاہ سمجھا جاتا ہے۔ اس نے بہت سے تاریخی ناول لکھے ہیں۔ جن میں واقعات تمام تاریخی ہوتے ہیں۔ صرف ان کے بیان کرتے وقت وہ رنگ آمیزی کرلیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے قلم میں بڑی تاثیر پیدا کی ہے چنانچہ اسے وفات پائے گو عرصہ گزر گیا ہے۔ مگر آج تک اسکی تحریریں علمی مذاق رکھنے والوں میں بڑی مقبول ہیں۔

فلسفے کے بڑے بڑے نکتے

ہیں۔ جن کا اس نے اپنی کتابوں میں حکایات میں ذکر کیا ہے۔ ان میں اس مضمون کے متعلق بھی ایک تاریخی قصہ آتا ہے۔ فرانس میں اٹھارویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کے شروع میں بڑی بغاوتیں ہوئی تھیں۔ ایک موقع پر جو پرانا شاہی خاندان تھا۔ اسے جب لوگوں نے فرانس سے نکال دیا۔ تو اس خاندان کے کچھ افراد انگلستان چلے گئے۔ اور کچھ بلجیم میں مقیم ہوگئے۔ اور وہاں بیٹھ کر انہوں نے سازشیں شروع کردیں۔ اس موقعہ پر قصہ یہ بتایا جاتا ہے۔ کہ ایک نواب کے خوردسال بھتیجے کو جو اسی نواب کا وارث تھا۔ ایک استاد رکھ کر تعلیم دلائی گئی۔ استاد دل میں جمہوریت کا قائل تھا۔ اس نے اسے جس قدر تعلیم دی۔ وہ جمہوریت کے اصول پر دی۔ ملک کے حقوق اس کے ذہن نشین کئے۔ اور اس عمدگی سے وہ اصول اس کے ذہن میں داخل کئے۔ کہ وہ ان کا اچھا خاصا مبلغ ہوگیا۔ چنانچہ جہاں بیٹھتا۔ انہی اصول کی لوگوں کو تلقین کرتا۔ جب بغاوت ہوئی۔ تو قدرتی طور پر وہ عوام الناس کے ساتھ مل گیا۔ اور اپنے بھائی بندوں کو اس نے چھوڑ دیا۔ ایک موقع پر ایسا اتفاق ہوا۔ کہ اس کا وہ چچا جس نے اسے پالا تھا۔ لڑائی میں اس کے مقابلہ میں آگیا۔ اور آخر شکست کھا کر وہ گرفتار کر لیا گیا۔ جب اس کا چچا پکڑا گیا۔ تو چونکہ اس نے بچپن سے اسے پالا تھا۔ اس لئے بھتیجے کے دل میں محبت کے جذبات نے جوش مارا اور اس نے یہ سمجھتے ہوئے کہ ملک کی خیرخواہی کا جو فرض مجھ پر عائد ہوتا تھا۔ وہ تو میں ادا کر چکا ہوں۔ آؤ اب میں اپنا ذاتی فرض بھی ادا کردوں۔ قید خانہ میں جاکر اپنے چچا کو چھوڑ دیا۔ اس پر تمام ملک میں شور پڑ گیا۔ اور

فرانس کی پارلیمنٹ میں مقدمہ

پیش ہوا۔ انہوں نے ایک کمیشن تجویز کیا۔ اور اسی استاد کو جس نے اسے تعلیم دی تھی۔ اس مقدمہ کا فیصلہ کرنے کے لئے جج مقرر کیا۔ چونکہ اس نے ملک کے لئے بڑی بڑی قربانیاں کی تھیں۔ اس لئے فوج کے بڑے بڑے افسر وفد بن کر اس کے پاس گئے۔ اور کہا۔ کہ اسکی گذشتہ خدمات کو مدِنظر رکھتے ہوئے اس کے متعلق نرم فیصلہ کیا جائے۔ مگر اس نے ان کی ایک نہ سُنی۔ اور فیصلہ کیا۔ کہ اسے گول سے اڑا دیا جائے۔ اور کہا۔ کہ اس کے فعل کے نتیجہ میں جو کشت وخون ہوگا۔ اس کا کیا علاج ہے۔ چنانچہ اس فیصلہ کے مطابق اسے ایک جگہ کھڑا کیا گیا۔ اور بندوقوں کی باڑ مار کر اسے مار دینے کا حکم ملا۔ طریق یہ ہے۔ کہ جب باڑ مارتے ہیں۔ تو درجن بھر یا کم وبیش تعداد سپاہیوں کی صف باندھ کر مجرم پر حکم ملتے ہی گولیاں چلاتی ہے۔ اور اس سے غرض ایک تو رعب قائم کرنا ہوتا ہے۔ دوسرے یہ احتیاط ہوتی ہے۔ کہ بیک وقت کئی سپاہی نشانہ لیں گے۔ تو نشانہ خطا نہ ہوگا۔ اور مجرم ضرور مرجائے گا۔ جب اسی نواب زادہ کو میدان میں کھڑا کیا گیا۔ اور سپاہی بھی مختلف جگہوں پر متعین کردیئے گئے۔ تو پھر بڑے بڑے افسروں کا ایک وفد اس استاد کے پاس گیا۔ اور اس نے کہا۔ ہماری ساری فتح اسی کے طفیل ہے۔ اس نے بادشاہی تعلقات کی کبھی پروا نہیں کی۔ اور ہمیشہ ہمارا ساتھ دیتا رہا۔ اب اسی کے ساتھ رعایت کی جائے۔ اور اسے یہ سزا نہ دی جائے۔ مگر اس نے ان کی کوئی بات نہ سُنی۔ اور کہا۔ گولی چلاؤ۔ چنانچہ سپاہیوں نے باڑ ماری۔ اور وہ رئیس مرکر گر پڑا۔ ادھر اس استاد کے منہ سے اس مفہوم کا ایک فقرہ نکلا۔ کہ

آہ میری امیدوں کی عمارت منہدم ہوگئی

اور ایک پستول کے چلنے کی آواز آئی۔ لوگوں نے مڑ کر دیکھا۔ تو اس رئیس کی لاش کے ساتھ ہی استاد کی لاش بھی تڑپ رہی تھی۔ اور وہ بھی اس کے غم میں خودکشی کر چکا تھا۔ یہ واقعہ گو ایک ناول میں بیان ہوا ہے۔ لیکن ہے تاریخی مواد سے ماخوذ۔ اس میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کہ انسانی فیصلہ بعض دفعہ متضاد حالات میں ہوتا ہے۔ قضا اور طرف جاتی ہے۔ اور جذبات اور طرف جاتے ہیں۔ اور اس میں بتایا گیا ہے۔ کہ انسانی روح بعض فعلوں سے دو طرح متاثر ہوتی ہے۔ ایک قضائی طور پر۔ اور ایک جذباتی طور پر۔ چنانچہ اسی بناء پر اس فرانسیسی بغاوت کے لیڈر نے بھی ایک طرف سزا کا حکم دیا۔ کیونکہ قضاء کا یہی فیصلہ تھا۔ کہ جو شخص اپنے ملک سے ایسی غداری کرے۔ اسے ایسی ہی سزا ملنی چاہیئے۔ دوسری طرف چونکہ اس نے اسے ایک بچے کی طرح پالا تھا۔ اور اس کے ساتھ اس کی امیدیں وابستہ تھیں۔ جب اس نے دیکھا۔ کہ وہ ایک خطا کی وجہ سے مارا گیا ہے۔ تو چونکہ ان کے مذہب میں خودکشی ناجائز نہیں۔ اسلئے اس نے بھی خودکشی کرلی۔ غرض تاریخی واقعات اور روزمرہ کے واقعات سے یہ امر پوری طرح ظاہر ہوتا ہے۔ کہ انسانی روح بعض افعال سے دو طرح متاثر ہوتی ہے۔ ایک قضائی طور پر۔ اور ایک جذباتی طور پر۔ بعض دفعہ

قضائی فیصلہ

بالکل اور ہوتا ہے۔ اور جذباتی فیصلہ بالکل اور ہوتا ہے۔ اور کبھی یہ دونوں فیصلے موافق بھی ہوتے ہیں۔ مگر بہرحال دیانتدار انسان وہ ہوتا ہے۔ جو قضائی حصہ کو جذباتی حصہ سے مغلوب نہ ہونے دے۔ بے شک جذباتی حصہ پیدا ہوگا۔ اور ضرور ہوگا۔ مگر انسان کا کام یہ ہے۔ کہ اس سے مغلوب نہ ہو۔ ایک جج کے سامنے اگر اس کا بیٹا

ملزم کی حیثیت

میں پیش ہوگا۔ تو کون کہہ سکتا ہے۔ کہ اس کے دل میں رحم پیدا نہیں ہوگا۔ مگر بطور جج کے اس کا یہ فرض ہے۔ کہ اسے سزا دے۔ مگر کیا جب وہ سزا دے گا۔ اسے غم نہیں ہوگا۔ ہوگا اور ضرور ہوگا۔ مگر کیا غم بھی کوئی جرم ہے۔ ہر شخص تسلیم کرے گا۔ کہ جب اس نے اپنے قضائی فرض کو ادا کردیا۔ تو اب اس کا

اظہار غم کوئی ناجائز امر نہیں

پس جب ایک جج قضائی طور پر اپنا فرض ادا کردیتا ہے۔ اور ناجائز طور پر دوسرے کے حقوق کو چھیننے کی کوشش نہیں کرتا۔ مثلاً یہ نہیں کرتا۔ کہ اسے قید سے چھڑوا لے (مقدمہ لڑنا ناجائز نہیں۔ کیونکہ جرم کا اثبات فیصلہ کے بعد ہوتا ہے۔ پہلے نہیں) تو اس کے لئے جائز ہے۔ کہ وہ اپنے جذبات کا اظہار کرے۔ بشرطیکہ وہ جذبات جادۂ اعتدال اور صداقت

Digitized by Khilafat Library Rabwah

پر ہوں۔ صداقت پر اس طرح کہ جن جذبات سے وہ نتیجہ نکالتا ہے۔ وہ صحیح ہوں۔ اور جادۂ اعتدال پر اس طرح کہ جذبات حد سے آگے نہ نکل جائیں۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے۔ تو اس کا یہ فعل انسانیت کے خلاف نہیں۔ بلکہ اس کے عین مطابق ہوگا۔ اگر ایک باپ قاضی ہے۔ اور اس کا بیٹا مجرم کی حیثیت میں اس کے سامنے پیش ہے۔ اور وہ اُسے قانون کے مقتضیٰ کو پورا کرنے کے لئے سزا دیتا ہے۔ مگر اس کا دل زخمی ہے۔ تو جب اس نے قانون کو پورا کر دیا۔ تو اس کا رنج اس کی نیکی کے منافی نہیں۔ بلکہ عین مطابق ہے۔ کیونکہ اس نے ثابت کر دیا۔ کہ وہ

جج بھی ہے اور انسان بھی

اور اگر کوئی شخص جذباتی حصہ کو ظاہر کرنا بھی نیکی کے منافی سمجھتا ہے۔ تو وہ احمق اور بے وقوف ہے۔ اور اس بات کو ثابت کرنے والا ہے۔ کہ وہ اپنے دماغ کو پڑھنے کے قابل نہیں۔ اگر دنیا کے سارے مجسٹریٹ بھی مل کر یہ کہیں۔ کہ اگر ان ججوں کے بیٹوں میں سے کسی سے کوئی جرم سرزد ہو۔ اور وہ فیصلہ کرتے وقت سزا بھی دے دیتے ہیں۔ اور ان کے دل میں یہ احساس بھی پیدا نہیں ہوتا۔ کہ کاش ہمارا بیٹا بچ جاتا کاش وہ اس جرم کا ارتکاب نہ کرتا۔ یا یہ خیال پیدا نہیں ہوتا۔ کہ کاش اسے توبہ کی توفیق مل جائے۔ تا اگر اس کی دنیا نہیں سنور سکی۔ تو آخرت ہی سنور جائے۔ یا اگر سزا مل جاتی ہے۔ تو ان کے دلوں میں یہ حسرت پیدا نہیں ہوتی۔ کہ آہ! افسوس ہمارا بچہ گناہ سے بچ نہ سکا۔ تو میں ان سے یہ کہوں گا۔ کہ تم اپنے دماغ کو خود پڑھنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ یا تم انسان نہیں۔ بلکہ انسانیت سے بالا کوئی اور ہستی ہو۔ مگر میں نہیں سمجھ سکتا۔ دنیا میں دل اور دماغ رکھنے والے ایسے مجسٹریٹ بھی ہو سکتے ہوں۔ جو قضاء سے اپنے جذبات کو کچل دیں۔ اور ان کے دلوں میں کوئی رحم پیدا نہ ہو۔ میں اسے تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں یہ ایک قانون ہے۔ جس سے باہر کوئی نہیں جا سکتا۔

ہزارہا مثالیں

روزانہ اس کی ملتی ہیں۔ صحابہ رضؓ کا ہی واقعہ ہے۔ مقداد رضؓ ایک بہت بڑے صحابی تھے۔ وہ ایک دفعہ ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ ایک شخص پاس سے گزرا۔ اور کہنے لگا۔ میں قربان جاؤں ان آنکھوں کے جنہوں نے محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا۔ میں قربان جاؤں ان ہاتھوں کے جنہوں نے محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت کی۔ کاش ہم بھی اس زمانہ کو دیکھتے۔ مقداد رضؓ یہ سنکر غصہ میں آگئے۔ اور ان کے چہرہ کا رنگ سرخ ہو گیا۔ راوی کہتے ہیں۔ ہم نے دل میں کہا۔ آپ کا یہ غصہ اس وقت کیسا ناواجب ہے۔ مگر اتنے میں مقداد بولے۔ تم کیا بات کرتے ہو۔ تمہارے جیسے ہی انسان تھے۔ جنہوں نے محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو رد کیا۔ انہوں نے آپؐ کی باتیں سنیں۔ مگر کہا۔ تو جھوٹا ہے۔ مکار ہے۔ پس تم سے کون کہہ سکتا ہے۔ کہ اگر وہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وقت ہوتا۔ تو ضرور آپؐ پر ایمان لاتا۔

ابوجہل یا ابولہب کے چیلوں میں

شامل نہ ہوتا۔ پس تم کیوں کہتے ہو۔ کہ کاش ہم محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوتے۔ تمہیں کیا معلوم ہے۔ کہ اگر اس وقت تم پیدا ہوتے۔ تو تمہارا کیا حال ہوتا۔ تم شکر کرو۔ کہ خدا تعالیٰ نے تمہیں ایسے وقت میں پیدا کیا۔ جب تمہارے ماں باپ ایماندار تھے۔ اور اس طرح تمہیں اس امتحان میں سے گذرنا نہیں پڑا۔ جس امتحان میں سے تمہارے ماں باپ کو گذرنا پڑا۔ پھر وہ کہنے لگے۔ تم ہمارے زمانہ کا کیا پوچھتے ہو۔ ہمارے بھی دل تھے۔ ہمارے بھی پیارے سے پیارے وجود تھے۔ ہمارے بھی دنیا میں وہ لوگ تھے جو ہمارے حبیب اور محبوب تھے۔ مگر جب خدا نے ہمیں ایمان دے دیا۔ اور وہ دولت ایمان سے محروم رہے۔ اور جنگیں ہوئیں تو ہم ان سے لڑائی کرتے تھے۔ مگر بخدا جب ہم تلوار چلاتے۔ تو ہمارے دل یہ تصور کر کے خون ہو جاتے۔ کہ قیامت کے دن ہمارے یہ حبیب دوزخ کی طرف لے جائے جا رہے ہوں گے۔ اور ہم جنت کی طرف جا رہے ہونگے یہ وہ نمونہ ہے۔ جو صحابہ رضؓ نے دکھایا۔ اور یہی وہ نمونہ ہے۔ جو قضاء کے وقت ایک شریف اور ہمدرد انسان دکھا سکتا ہے۔ انہوں نے ایک طرف تلوار لے کر محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دشمنوں کو کاٹ ڈالا۔ مگر دوسری طرف ان کی حالت یہ تھی۔ کہ ان کے دل کڑھ رہے اور رو رہے تھے۔ کہ ہمارا یہ پیارا جہنم کی طرف جا رہا ہے۔ اور ہم جنت کی طرف۔ تو

جذباتی قضاء کا معاملہ نہایت پیچدار ہوتا ہے

جس کو صرف عالم اور فہیم آدمی ہی سمجھ سکتے ہیں۔ جن کو اللہ تعالےٰ نے سوچنے والا دماغ اور فکر کرنے والی روح عطا فرمائی ہے۔ عام لوگ نہ ان باتوں کو سمجھتے ہیں۔ اور نہ وہ ان کو سمجھنے کے اہل ہوتے ہیں۔ غرض دیانتدار انسان وہ ہوتا ہے۔ جو قضائی حصے کو جذباتی حصہ سے مغلوب نہ ہونے دے۔ لیکن جب وہ یہ مطالبہ پورا کر دے۔ تو اور اس پر کوئی بوجھ نہیں۔ بشرطیکہ اس کے جذبات

جادۂ اعتدال اور صداقت

پر ہوں۔ اگر وہ جذبات صداقت پر مبنی ہوں اور اگر جادۂ اعتدال پر قائم ہوں۔ تو نہ صرف یہ کہ وہ خلافِ انسانیت نہیں۔ بلکہ وہ عین انسانیت ہیں۔ یہ تین اصل ہیں۔ جنہیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔ تب وہ جواب سمجھ آئے گا۔ جو ان سوالات کا میں دینا چاہتا ہوں مگر چونکہ آج بہت دیر ہو گئی ہے۔ اسلئے اسی پر اپنا خطبہ ختم کرتا ہوں۔ دوسرا حصہ جو جواب پر مشتمل ہے۔ وہ انشاء اللہ تعالےٰ اگلے خطبہ میں بیان کرونگا۔ (الفضل)

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۲)

دانیال نبی کی پیشگوئی اور مولوی ثناء اللہ صاحب کی یاوہ گوئی

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے لئے ہر الہامی کتب میں ثبوت موجود ہے۔ اس لئے یہود اور نصارےٰ پر اتمام حجت کی خاطر حضور نے اپنی کتب میں ان کی مسلمہ پیشگوئی متعلقہ ۱۲۹۰ء یعنی دانیال نبی کی پیشگوئی کا ذکر فرمایا۔ چاہیئے تو یہ تھا۔ کہ یہودی یا عیسائی ہم سے ان کے متعلق بحث کرتے۔ مگر مولوی ثناء اللہ صاحب خواہ مخواہ (اس پنجابی فقرہ کے مطابق سدّی نہ بلائی میں نوسو کی بھرجائی) دخل انداز ہوتے ہیں۔ مولوی صاحب ۶/۳۸-۱۷ کے اہلحدیث میں اس پیشگوئی پر اعتراض کرتے ہیں۔ کہ حضرت صاحب اس پیشگوئی کے مصداق نہیں ہیں۔ کیونکہ حضور ۱۳۳۵ء تک زندہ نہیں رہے۔ قبل اس کے کہ میں اس کے متعلق کچھ لکھوں۔ یہ بتا دینا چاہتا ہوں۔ ان لوگوں کے پاس اب قرآن شریف اور احادیث سے کوئی دلیل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تکذیب کے متعلق نہیں ہے۔ لے دے کر دانیال نبی کی پیشگوئی ہی رہ گئی ہے چنانچہ مولوی صاحب نے ایک دفعہ لکھا تھا۔

"سچ تو یہ ہے۔ کہ ہمارے پاس تکذیب مرزا پر جتنے دلائل ہیں۔ ان میں سے دانیال والی پیشگوئی وزن دار ہے۔ اس لئے ہم اپنے ناظرین کو جو مباحثات قادیان سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ ان کو توجہ دلاتے ہیں۔ کہ وہ سب سے پہلے اس دلیل سے کام لیا کریں"۔

(اہلحدیث یکم نومبر ۱۹۲۶ء)

مولوی صاحب نے اس میں صاف اقرار کیا ہے۔ کہ قرآن اور احادیث اس بات میں دھکے دے رہے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب کی تکذیب کے متعلق ان میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ مولوی صاحب آپ کا اعتراض یہ ہے۔ کہ مسیح موعود کو ۱۳۳۵ء تک رہنا چاہیئے۔ اور حضرت مرزا صاحب ۱۳۲۶ء میں فوت ہو گئے۔ اس لئے اس پیشگوئی کے مصداق نہ رہے۔ مولوی صاحب اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۱۳۳۵ء تک بھی زندہ رہتے تو آپ کبھی نہ مانتے۔ کیونکہ آپ لوگوں کے متعلق تو پہلے لکھا ہوا تھا۔ کہ "جب امام مہدی آئیں گے۔ تو اس کے سب سے سخت بد دشمن علماء ہوں گے۔" (فتوحات مکیہ جلد ۳ صفحہ ...)

پھر مشکوٰۃ کی وہ حدیث علماء ھم والی تو خاص قابل ذکر ہے۔ اور اس کے آپ پورے مصداق ہیں۔ جیسا کہ آپ نے لکھا ہے:-

"مشکوٰۃ صفحہ ۳۸ پر حضرت علی رضؓ سے ایک روایت مروی ہے۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ کہ لوگوں پر عنقریب ایک ایسا زمانہ آئے گا۔ اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا۔ اور قرآن کا رسم خط۔ اس وقت کے مولوی آسمان کے تلے بدترین مخلوق ہوں گے۔ سارا فتنہ فساد انہی کی وجہ سے ہوگا۔ ہم دیکھ رہے ہیں۔ کہ آج کل وہ زمانہ آ گیا ہے۔ ہر شہر میں ایسے مولوی موجود ہیں"۔

(اہلحدیث ۲۵ اپریل ۱۹۳۰ء)

پھر لکھا ہے:- "قرآن مجید میں یہودیوں کی مذمت کی گئی ہے۔ کہ کچھ حصہ کتاب کا مانتے ہیں۔ اور کچھ نہیں مانتے۔ افسوس ہے۔ آج ہم اہلحدیثوں میں بالخصوص یہ عیب پایا جاتا ہے"۔

(اہلحدیث ۱۹ اپریل ۱۹۰۷ء)

پس جب پہلے مسیح کو یہودیوں نے نہیں مانا۔ تو دوسرے مسیح کو یہ کب مانتے۔ اگر مولوی صاحب کو اس پیشگوئی پر بہت زیادہ ناز ہے۔ تو میدان میں آئیں۔ اور اس پر باقاعدہ مناظرہ کریں۔

(محمد عبد الحق مجاہد۔ امرتسری از مغلپورہ)

ایک ایڈریس کے موقعہ پر حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی تقریر

صاحبزادہ مرزا مبارک احمد سلمہ اللہ مولوی فاضل بی۔ اے کی مصر کو روانگی کے سلسلہ میں جو کہ ۲۹ جون ۱۹۳۸ء کو شام کی گاڑی سے عازم مصر ہوئے۔ سپورٹس کلب قادیان کے ممبران نے ایک دعوت دی۔ جس میں ایک ایڈریس پیش کیا گیا۔ جس کا جواب صاحبزادہ صاحب نے دیا۔ اور آخر میں حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ نے جو تقریر فرمائی۔ اس میں صاحبزادہ صاحب کے مصر بھیجے جانے کی اغراض کے علاوہ نہایت مفید نصائح فرمائیں۔ چنانچہ حضور نے فرمایا:۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ریلیونگ پریذیڈنٹ صاحب نے جو ایڈریس پڑھا ہے۔ اسے سنکر مجھے خیال آیا ہے۔ کہ شاید وہ پروگرام جو میاں مبارک احمد کے لئے میں نے بنایا۔ منسوخ ہو گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ کسی لمبے عرصہ کے لئے وہ باہر نہیں جا رہے۔ بلکہ انشاء اللہ اکتوبر ۱۹۳۸ء کے آخر تک واپس آ جائیں گے۔

ان کو مصر بھیجنے کی غرض یہ ہے۔ کہ عربی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ چونکہ انگریزی تعلیم میں لگ گئے۔ اسلئے میں چاہتا ہوں۔ کہ اب پھر عربی کا میلان تازہ ہو جائے۔ میاں ناصر احمد بھی جو اپنی عربی کی تعلیم کے بعد انگریزی تعلیم کی تکمیل کے لئے انگلستان گئے تھے۔ واپس آ رہے ہیں۔ اور وہ بھی عربی کے ساتھ دوبارہ مس پیدا کرنے کے لئے مصر میں ٹھہریں گے۔ اور میاں مبارک احمد بھی وہاں جا رہے ہیں۔ دونوں بھائی وہاں آپس میں بھی عربی میں بات چیت کریں گے۔ وہاں کے علمی مذاق کے لوگوں سے بھی ملیں گے۔ لائبریریوں کو دیکھنے کا موقعہ بھی ان کو ملے گا۔ اور اس طرح زبان عربی کے ساتھ مس اور ذوق پھر تازہ ہو جائیگا۔ اس کے علاوہ مصر میں کاٹن انڈسٹری کے ماہرین موجود ہیں۔ اور وہاں کپاس خاص طور پر کاشت کی جاتی ہے۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ یہ اس کا بھی مطالعہ کریں۔

ایڈریس میں ذکر کیا گیا ہے۔ کہ "کلب کی عام حالت ابھی اس امر کی مقتضی تھی۔ کہ آپ سا غیر معمولی طور پر ذہین مدبر اور رفیق کار ہم میں موجود رہتا۔" مگر یہ عرصہ جس کے لئے وہ جا رہے ہیں۔ اس قدر قلیل ہے۔ کہ میں نہیں سمجھ سکتا۔ یہ جدائی کلب کے لئے کسی نقصان کا موجب ہو سکے۔ اس جدائی پر جن جذبات کا اظہار کیا گیا ہے۔ وقفہ کے لحاظ سے ان کی ضرورت نہیں۔ ہاں فاصلہ کے لحاظ سے یہ احساس درست سمجھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ فاصلہ بھی انسان کے جذبات میں بہت کچھ انگیخت کرتا ہے۔ ایک لڑکا قادیان میں صبح سے لے کر شام تک گھر سے باہر کام کرتا رہے۔ تو اسکی ماں کو خیال بھی نہ آئے گا۔ لیکن اگر وہ بٹالہ چلا جائے۔ تو خواہ دوپہر کو ہی واپس آ جانا ہو۔ ماں کو اس کے جانے کا احساس ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی کا لڑکا کسی قریبی گاؤں میں دس پندرہ روز رہے۔ تو اسے زیادہ احساس نہ ہوگا۔ لیکن اگر وہ اتنے ہی دنوں کے لئے مدراس چلا جائے۔ تو اسکی جدائی ماں بہت زیادہ محسوس کرے گی۔ پس فاصلہ کا بعد بھی انسان کے جذبات میں انگیخت کرتا ہے۔ اور چونکہ میاں مبارک احمد ایک غیر ملک میں جا رہے ہیں۔ اسلئے اسے مدنظر رکھتے ہوئے ان جذبات کو درست کہا جا سکتا ہے۔ ورنہ اگر وقت کو مدنظر رکھا جائے۔ تو یہ اس سے کم عرصہ ہے۔ جتنا وہ سندھ رہ آئے ہیں۔

میں نے اس دعوت کے منتظمین سے وعدہ لیا تھا۔ کہ وہ میرا زیادہ وقت نہیں لینگے۔ اسلئے سپورٹس کلب کے قیام یا اس کے اغراض کے متعلق اس وقت میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ صرف اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ کہ وہ ان کھیلوں کی طرف زیادہ توجہ کریں۔ جو آئندہ زندگی میں مفید ثابت ہوں۔ مثلاً دوڑنا بوجھ اٹھانا۔ تیرنے کی مشق۔ نشانہ بازی کی قابلیت۔ گھوڑے کی سواری۔ یہ وہ کھیلیں ہیں۔ جو آئندہ زندگی میں کام آ سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ آنکھوں کی حس کی تیزی۔ کانوں کی حس کی تیزی۔ زبان کی حس کی تیزی۔ سونگھنے کی حس کی تیزی اور لمس کی حس کی تیزی کی بھی مشق کرنی چاہیئے۔ یہ آئندہ زندگی میں بہت کام آنے والی چیزیں ہیں۔ پھر ان میں مقابلہ کے وقت تیزی کے ساتھ صحت کا بھی لحاظ رکھنا چاہیئے۔ مثلاً کان کی حس کی تیزی اس طرح دیکھی جائے۔ کہ دور سے سننے اور پھر آواز میں امتیاز کرنے کی اہلیت ہو۔ دور سے دیکھنا اور پھر رنگ میں تمیز کرنا ریلوے میں ملازم رکھنے کے وقت صرف یہی نہیں دیکھا جاتا۔ کہ نظر دور سے دیکھنے کے لحاظ سے درست ہے۔ بلکہ یہ بھی دیکھا جاتا ہے۔ کہ دور سے دیکھنے کے ساتھ رنگوں میں بھی تمیز کی جا سکتی ہے۔ یا نہیں۔ پھر سونگھنے کی مشق یہ ہے۔ کہ دور سے سونگھنا۔ اور خوشبو میں امتیاز کرنا اسی طرح زبان سے ذائقہ کی شدت یا کمی کو محسوس کرنا۔ اور پھر اس میں امتیاز کرنا۔ یہ سب علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ جو آئندہ زندگی میں بہت مفید ہو سکتی ہیں۔ صرف تیزی کی مشق کافی نہیں۔ بلکہ اس کے ساتھ امتیاز کی مشق بھی ضروری ہے۔ پس اگر ہماری کھیلوں کی کلبیں ایسی کھیلوں کا انتظام کریں۔ اور مقابلے کرائیں۔ تو آئندہ زندگی میں ہر شخص کو اس کے پیشہ میں بھی اور زندگی کے عام کاموں میں بھی اس سے بہت مدد مل سکتی ہے۔ بعض لوگ کھوجی ہوتے ہیں۔ جن کی حس بہت تیز ہوتی ہے۔ اب تو ایسے آدمی کم نظر آتے ہیں۔ مگر پہلے مسلمانوں میں ایسے لوگ تھے۔ جو صرف مٹی کو سونگھ کر بتا دیتے تھے۔ کہ زمین کے نیچے کوئلہ ہے۔ یا لوہا یا تانبا یا پیتل ہے۔ اور صرف مٹی کو سونگھ کر پتہ لگا لیتے تھے۔ کہ زمین کے نیچے کونسی کان ہے۔

ان مشقوں میں اور بھی بہت سے فوائد ہیں مگر میں اسی وقت مضمون کو لمبا کرنا نہیں چاہتا۔ صرف اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ کہ کھیلوں کو وسیع کرو۔ اور ان کو زیادہ مفید اور دلچسپ بناؤ۔ اگر کوئی ایسی باتوں کی مشق کرے۔ تو دوسرے اسے معجزہ سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ امریکہ کا ایک شخص ہتھکنڈے دکھانے والا بہت مشہور ہے۔ اسے لوگ پانی میں ڈبو دیتے تھے۔ مگر وہ پھر نکل آتا تھا۔ اور اس کی وجہ صرف اسکی مشق تھی۔ لیکن لوگ معجزہ سمجھتے تھے۔ پس ان چیزوں کی اگر مشق کی جائے تو بہت زیادہ مفید نتائج نکل سکتے ہیں۔

قاضیوں کے متعلق اعلان

ناظر صاحب اعلیٰ اعلان کرتے ہیں۔ کہ "الفضل" میں جماعتہائے احمدیہ کے انتخاب کردہ اور حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالےٰ کے منظور فرمودہ قاضیوں کے نام شائع کئے جا چکے ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ مزید ہدایت شائع کی جاتی ہے۔ کہ حسب ارشاد حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ ان احباب کے سپرد جو قاضی مقرر ہوئے ہیں۔ یا آئندہ مقرر ہوں۔ ان کے حلقہ قضا میں کوئی انتظامی عہدہ جماعت کا نہ کیا جائے۔ نیز کوئی مقررہ قاضی سوائے حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالےٰ یا دار القضاء مرکزی کے فیصلہ کے قاضی کے عہدہ سے معزول نہیں ہو سکے گا۔

اعلان برائے موصیاں

ہر موصی کا بجٹ آمد یعنی سالانہ آمدنی کی اطلاع دفتر ہذا میں آنی ضروری ہے۔ ابھی تک اکثر جماعتیں خاموش ہیں۔ اس کے بغیر حساب درست نہیں رکھا جا سکتا۔ پس ہر ایک جماعت کے سکرٹری کو چاہیئے۔ کہ اپنی جماعتوں کے موصیوں کے بجٹ آمد ۳۸-۱۹۳۹ء سے جلد سے جلد اطلاع دیں۔ (سکرٹری بہشتی مقبرہ)

مساجد میں بدبودار چیزیں لانیکی ممانعت

مسجد میں پیاز اور لہسن کھا کر آنے کی ممانعت ہے یا دوسری بدبودار اشیاء لانے کی بھی۔ مثلاً بعض لوگ کپڑوں میں فینائل رکھتے ہیں۔ جس سے سخت بدبو آتی ہے۔ کیا نمازیوں کو اس بدبو سے روکنا چاہیئے یا نہیں۔ جو تکلیف لہسن پیاز کی بو سے ہوتی ہے۔ اس سے سوگنا زیادہ فینائل سے ہوتی ہے۔

جواب۔ مسجد میں کوئی بدبودار چیز نہ لانی چاہیئے۔ خصوصاً ایسی چیز جس سے نمازیوں کو تکلیف پہنچتی ہو۔ مفتی سلسلہ احمدیہ

مرکزی چندہ کے متعلق ناظر صاحب بیت المال کا اعلان

اس سے پہلے بیت المال کی طرف سے مختلف طریق پر بار بار اعلان ہو چکا ہے۔ اور صدر انجمن کے قواعد میں یہ ایک قاعدہ ہے۔ کہ مرکزی چندوں کا روپیہ اپنے طور پر روکنے یا خرچ کرنے کا کسی جماعت یا فرد کو اختیار نہیں۔ مگر باوجود اس کے پھر بھی بعض دوستوں نے مرکزی روپیہ کو دوسرے مصرف میں لانے کے لئے روک لیا جسکی رپورٹ حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالےٰ کے حضور پہنچی۔ تو حضور نے حسب ذیل امور قاعدہ کے رنگ میں اپنی قلم سے تحریر فرمائے:۔ "کسی جماعت کو مرکزی چندہ خرچ کرنا بلا منظوری کسی صورت میں بھی جائز نہیں کام کر کے بعد میں منظوری لینا نہ صرف خلاف قانون ہے۔ بلکہ خلاف عقل بھی ہے۔ کیونکہ نظام اس طرح درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اگر اس قسم کی اجازت کسی جماعت کو دی جائے۔ تو یقیناً یہ مرض دوسری جماعتوں میں پھیل جائیگا۔ اور مرکزی کاموں کو سخت نقصان پہنچے گا۔ پس اخبارات کے ذریعہ اعلان کر دیا جائے کہ کسی جماعت کو مرکزی چندہ خرچ کرنے کی خواہ بہ امید منظوری کیوں نہ ہو۔ اجازت نہیں۔ اور اگر کوئی انجمن آئندہ ایسا کریگی۔ تو اس کے عہدہ داروں کو الگ کیا جائیگا۔ اور اس انجمن کو جب تک وہ اپنی غلطی کی اصلاح نہ کرے۔ تسلیم نہ کیا جائے گا۔" (ناظر بیت المال)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی تقریر

۱۱ر جون کو اولڈ بوائز تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کی اس دعوت میں جو مولوی محمد الدین صاحب بی اے ہیڈ ماسٹر کے اعزاز میں دی گئی۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے حسب ذیل تقریر فرمائی:۔

سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

یہ جلسہ جیسا کہ تقریروں سے ظاہر ہے۔ اس غرض کے لئے منعقد کیا گیا ہے۔ کہ ماسٹر محمد الدین صاحب ہیڈ ماسٹر اور دوسرے اساتذہ کو جنہوں نے اس سال کی میٹرک کلاس کو تیار کر کے نمایاں کامیابی حاصل کی ہے مبارکباد دی جائے۔ اور ان کے کام پر اظہار خوشنودی کیا جائے۔

جیسا کہ ماسٹر محمد دین صاحب نے جواب میں بیان کیا ہے۔ ہمارے سکول کا یہ نتیجہ بعض دوسرے سکولوں کے نتیجہ کے مقابلہ میں ایسا نہیں کہ ہم اسے قابل اطمینان نہ کہہ سکیں۔ قابل تسلی ہے مگر یہ نہیں۔ کہ اب کسی مزید جدوجہد کی ضرورت نہیں رہی۔ لیکن روایات ہمیشہ اپنے پیچھے اپنا اثر چھوڑا کرتی ہیں۔ جن لوگوں کی روایات اچھی قائم ہو جائیں۔ وہ

قلیل جد و جہد سے زیادہ کامیابی

حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن جن کی روایات اچھی نہ ہوں۔ انہیں کسی اعلیٰ مقام پر پہنچنے کے لئے زیادہ جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ عربی میں کہتے ہیں۔ العود احمد۔ یعنی جو کام دوسری دفعہ کیا جائے۔ وہ زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں۔ کہ ہمارے سکول کا یہ نتیجہ بعض دوسرے سکولوں کے نتیجہ کے مقابلہ میں اچھا نہیں کہلا سکتا۔ مجھے یاد ہے۔ کہ وزیر آباد کے ایک سکول کا نتیجہ متواتر سالہا سال تک یونیورسٹی میں اعلیٰ امتیاز کے ساتھ کامیابی حاصل کرنے والے پہلے تین لڑکوں میں سے ایک ضرور اس سکول کا ہوتا رہا ہے۔ تو ایسے سکول بھی ہیں۔ جو

سَو فی صدی نتائج

پیش کرتے ہیں۔ خصوصاً آریہ سکول لاہور۔ سنٹرل ماڈل سکول لاہور۔ اور وزیر آباد کا وہ سکول جس کا میں نے ذکر کیا ہے۔ جو ممکن ہے۔ اب ایسا اعلیٰ نہ رہا ہو۔ ایسے نتائج کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم اپنے سکول کے اس نتیجہ سے مطمئن نہیں ہو سکتے۔ لیکن اس میں بھی شبہ نہیں۔ کہ جو سکول چالیس۔ پینتالیس فی صدی نتیجہ نکالتا رہا ہو۔ وہ اگر ترقی کر کے نوّے فی صدی سے اوپر نتیجہ نکالے۔ تو یہ ترقی یقیناً خوشکن ہے۔ اور ایک ایسا اچھا معیار ہے۔ جسے آئندہ قائم کرنے کے لئے اتنی محنت نہیں کرنی پڑیگی۔ جتنی پہلے کرنی پڑی ہے۔ اس سے کام کرنے والوں کے حوصلے بلند اور ارادے مضبوط ہوں گے۔ اور طلباء کے اندر بھی یہ خیال پیدا ہوگا۔ کہ ہم سے پہلوں نے یہ معیار قائم کیا ہے۔ ہمیں اسے قائم رکھنا چاہیئے۔ اور اس لحاظ سے یہ تسلی بخش ہے۔ پس یہ نتیجہ جہاں ہمارے لئے اس وجہ سے خوشی کا موجب ہے۔ کہ نوّے فی صدی سے اوپر نکلا ہے۔ وہاں اس لحاظ سے بھی خوشکن ہے۔ کہ

ہمارے اساتذہ اور طلباء

اب اس سے بھی آگے قدم ماریں گے۔ اور کوشش کریں گے۔ کہ آئندہ سَو فی صدی نکلے۔ اور جب اللہ تعالےٰ انہیں یہ کامیابی دے دے۔ کہ نتیجہ سَو فی صدی نکلے۔ تو پھر یہ کوشش کریں گے۔ کہ طلباء صرف پاس ہی نہ ہوں۔ بلکہ اتنے نمبر حاصل کریں۔ کہ یونیورسٹی میں خاص عزت حاصل کر سکیں۔ اور ایسی پوزیشن حاصل کر لیں۔ کہ اگر آئندہ محنت اور لیاقت کا تسلسل جاری رکھ سکیں۔ تو اچھے عہدے حاصل کر سکیں۔

یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ

مومن کبھی چھوٹی چیز پر تسلی نہیں پاتا

میں نے کئی دفعہ مثال دی ہے۔ کہ سید اسماعیل شہید جہاد کے لئے دہلی سے پشاور جا رہے تھے۔ کہ رستہ میں انہوں نے سنا۔ کہ ایک سکھ ایسا تیراک ہے۔ کہ وہ دریائے اٹک کو تیر کر عبور کر جاتا ہے۔ اور اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ انہوں نے دریافت کیا کہ کیا کوئی مسلمان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ انہیں بتایا گیا۔ کہ نہیں۔ انہیں اس قدر غیرت آئی۔ کہ گو ایک ضروری کام کے لئے جا رہے تھے۔ مگر وہیں ٹھیر گئے۔ اور

تیرنے کی مشق

شروع کر دی۔ آخر اسے چیلنج کیا۔ کہ آؤ مقابلہ کر لو۔ اور پھر اسے شکست دی۔ تو اگر مسلمان بزرگ اپنے اندر اس قدر غیرت رکھتے تھے۔ کہ انہیں یہ بھی گوارا نہ تھا۔ کہ تیرنے میں کوئی سکھ مسلمان سے بڑھ جائے۔ تو تعلیمی لحاظ سے ہمیں جس قدر

دوسروں سے ممتاز رہنے کی کوشش

کرنی چاہیئے۔ وہ ظاہر ہے۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ نہ صرف دین میں ہی غالب رہیں۔ بلکہ دنیا کے کاموں میں بھی ہر طرح دوسروں سے فضیلت حاصل کر سکیں۔ بے شک یہ

ایک خواب اور خیال

ہے۔ مگر زندہ قوموں کے خواب پورے ہو کر رہتے ہیں۔ دنیا میں انسان کے تمام اعمال کے پیچھے دراصل خیال ہی کی طاقت ہے۔ جو اسے کامیاب کرتی ہے۔ کسی کام میں خواہ کتنی محنت اور کوشش کی جائے۔ اگر خیالات اعلیٰ نہ ہوں۔ تو کامیابی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اگر خیالات اعلیٰ ہوں۔ تو تھوڑی سی محنت اور جدوجہد سے بھی زیادہ کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ بچپن میں ہمیں سکول میں ایک کتاب پڑھائی جاتی تھی۔ جس میں ایک کہانی تھی۔ کہ کسی عورت کے بچہ کو عقاب اٹھا کر لے گیا۔ اور لے جا کر پہاڑ کی ایک ایسی بلند چوٹی پر رکھ دیا۔ جہاں اس علاقہ کا کوئی آدمی چڑھ نہ سکتا تھا۔

ماں کی مامتا

مشہور ہے۔ اور اس نے اس کے اندر ایسے جذبات پیدا کر دیئے۔ کہ باوجودیکہ رستہ نہایت دشوار گزار تھا۔ چوٹی بالکل سیدھی تھی۔ اور کہیں آسانی سے پاؤں رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ مگر وہ چڑھتی چلی گئی۔ اور اپنے بچہ کو جا کر اٹھا لیا۔ لیکن جب بچہ اس کو مل گیا۔ تو اس کے ساتھ ہی وہ جذبات بھی ڈھیلے پڑ گئے۔ جن کے ماتحت وہ اوپر پہنچ گئی تھی۔ اور اسے محسوس ہو گیا۔ کہ اس کے لئے نیچے اترنا مشکل ہے۔ اس پر اس نے شور مچانا شروع کیا۔ اور لوگوں نے بڑی مشکل سے رستے وغیرہ پھینک کر اسے نیچے اتارا۔ تو جب

جذبات اور خیالات میں طاقت

اور مضبوطی ہو۔ تو ان کے پیچھے جو اعمال ہوتے ہیں۔ ان میں کامیابی زیادہ آسان ہو جاتی ہے۔ قوموں کی ترقی کا موجب ہمیشہ ان کے ارادے ہوتے ہیں۔ اگر یہ خیال کر لیا جائے۔ اور فیصلہ کر لیا جائے۔ کہ ہم دوسروں سے کسی لحاظ سے بھی پیچھے نہیں رہیں گے۔ تو یہ خیال ایسی طاقت اور قوت پیدا کر دیتا ہے۔ کہ انسان واقعی دوسروں سے آگے نکل جاتا ہے۔ دیکھو۔

مسمریزم کیا ہے

خیالات ہی ہیں۔ لیکن اس سے ایسے ایسے حیرت انگیز کام ہو جاتے ہیں۔ کہ لوگ انہیں معجزہ کہتے ہیں۔ یورپ میں لاکھوں ایسے انسان ہیں۔ جو سپر چولزم کے ماتحت اپنے ان خیالات کو بھی چھوڑ رہے ہیں۔ جنہیں وہ سائنس کے ماتحت مانتے تھے۔ اور بہت سے فلاسفر اور ڈاکٹر سپر چولزم کی طرف چلے جا رہے ہیں۔ حالانکہ صحت نظر سے اگر دیکھیں۔ تو یہ صرف خیالات کی طاقت ہے۔ لیکن جو لوگ حقیقت سے واقف نہیں۔ وہ دھوکا کھا جاتے ہیں۔ مشہور نو مسلم مسٹر عبد اللہ کوئیلم جو اس وقت پروفیسر لیون کے نام سے لنڈن میں رہتے ہیں۔ ان کا اصل نام تو عبد اللہ کوئیلم ہی ہے۔ مگر ان سے ایک دفعہ ملکی قانون کے ماتحت کوئی جرم سرزد ہو گیا تھا۔ اور ان کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوئے۔ لیکن وہ فرار ہو گئے۔ اور بعد میں

حکومت برطانیہ کی شاندار خدمات

سر انجام دیں۔ جن کی وجہ سے حکومت ان کو سزا دینا نہ چاہتی تھی۔ اور ساتھ ہی قانون کو توڑنا بھی اسے گوارا نہ تھا۔ اس لئے انہیں اس نام کے ساتھ وہاں رہنے کی اجازت دے دی گئی۔ پولیس کو بھی اس بات کا علم ہے۔ مگر وہ کچھ نہیں کر سکتی۔ یورپ میں سب سے پہلے اسلام کو پھیلانے والے وہی ہیں۔ میں جب انگلستان گیا۔ تو انہوں نے مجھ سے سوال کیا۔ کہ

سپر چولزم کا اثر

یہاں بہت پھیلتا جا رہا ہے۔ اور بڑے بڑے لائق لوگ اس میں مبتلا ہوتے جا رہے ہیں۔ مجھے بتائیں۔ کہ اسکی اصلیت کیا ہے۔ میں نے انہیں بتایا۔ کہ یہ دراصل انسانی خیالات کی طاقتوں کا نتیجہ ہے۔ جس کا قطعی اور یقینی ثبوت یہ ہے۔ کہ اس کے پیچھے حقیقت بالکل نہیں ہوتی۔ اس ضمن میں میں نے انہیں چند ایک باتیں بتائیں۔ جن میں سے ایک یہ تھی۔ کہ روح اسی زبان میں باتیں کرتی ہے۔ جو میڈیم کی ہو۔ مثلاً ایک انگریز میڈیم ہو۔ تو جو روح آئے گی۔ وہ ضرور انگریزی میں ہی بات کریگی۔ یا کسی ایسی زبان کے الفاظ استعمال کرے گی۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

جو بچپن میں سنے ہوں۔ مثلاً بچپن میں وہ کبھی فرانس گیا ہو۔ اور اسی وقت سے فرانسیسی زبان کے بعض الفاظ اس کے دماغ میں محفوظ ہوں گے۔ کیونکہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے۔ کہ چلّہ کے ایام کی بعض باتیں بھی انسانی دماغ میں محفوظ رہتی ہیں۔ اور کبھی کوئی روح ایسی زبان میں بات نہ کرے گی۔ جس سے کبھی کوئی تعلق نہ رہا ہو۔ اگر کسی عرب کی روح آئے۔ تو وہ بھی انگریزی میں بات کرے گی۔ اور فرانسیسی کی آئے۔ تو وہ بھی اور افریقن کی روح بھی۔ میں نے کہا۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے۔ کہ اگلے جہان میں سب انگریزی ہی بولتے ہیں۔ اس پر انہوں نے کہا۔ کہ آپ کی یہ دلیل بالکل ٹھیک ہے۔ اور۔ مجھے اس کا

ذاتی طور پر تجربہ

بھی ہے۔ ایک دفعہ میرے ایک دوست مجھے ایک ایسی مجلس میں ساتھ لے گئے۔ اور کہا۔ کہ ایک دفعہ دیکھ لو۔ چنانچہ میں گیا۔ گانا وغیرہ گایا گیا۔ اور جب وہ حالت آئی۔ تو مجھے کہا گیا۔ کہ تم بتاؤ۔ کس کی روح آئے۔ میں نے کہا۔ مجھے تو رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ذات سے

سب سے زیادہ اُنس

ہے۔ ان کی روح کو بلاؤ۔ اس پر ایک روح آئی۔ جو گویا ان کے نزدیک رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی روح تھی۔ مگر وہ بات چیت انگریزی میں کرتی تھی۔ میں نے کہا۔ کہ آپ مجھے سورۃ فاتحہ سنائیں۔ اس سوال پر میڈیم میں کچھ گھبراہٹ سی پیدا ہوئی۔ اور اس نے کہا۔ کہ مجھے تو یہ نہیں آتی۔ میں نے کہا۔ زندگی بھر آپ لوگوں کو سکھاتے رہے۔ اور ہر نماز کی ہر رکعت میں اسے پڑھنے کا حکم دیا۔ پھر اب آپ بھول گئے۔

سپرچولزم کی تردید

کے اور بھی دلائل ہیں۔ مگر سب سے زبردست یہ ہے۔ کہ کیا وجہ ہے۔ سب روحیں اپنی اپنی زبان بھول جاتی ہیں۔ اور انہیں صرف وہی یاد رہتی ہے۔ جو میڈیم کی ہو۔

اس میں شبہ نہیں۔ کہ اس کیفیت کے ماتحت انسان ایسی عجیب کارروائیاں کر لیتا ہے۔ کہ دیکھنے والا حیران رہ جاتا ہے۔ دراصل Subject Mind میں اللہ تعالےٰ نے ایسی طاقتیں رکھی ہیں۔ کہ وہ ایسے عجیب کام کر لیتا ہے جن کو Object Mind سمجھنے سے بھی قاصر رہتا ہے۔ میں نے خود تجربہ کیا ہے۔ کہ

سر کے پیچھے کتاب

کھول کر رکھدی۔ اور اس صفحہ کے بعض الفاظ پڑھ لئے۔ بظاہر یہ بات سمجھ میں نہیں آ سکتی مگر Subjective Mind میں یہ طاقت ہے۔ اور جب محض خیال سے اس قدر عجیب اور حیرت انگیز کام دنیا میں ہوتے ہیں۔ تو جب یہ خیال ایمان کی شکل اختیار کرے۔ تو پھر تو کوئی چیز اس کے سامنے نہیں ٹھیر سکتی۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ "اگر تم میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا۔ تو اس پہاڑ سے کہہ سکوگے۔ کہ یہاں سے سرک کر وہاں چلا جا۔ اور وہ چلا جائے گا۔ اور کوئی بات تمہارے لئے ناممکن نہ ہوگی"۔ متی ۱۷/۲۰

اور جب خالی خیال اس قدر

عظیم الشان تغیّر

پیدا کر سکتا ہے۔ اور ایسی قوتیں بخش سکتا ہے کہ جن سے انسان ایسے کام کر لیتا ہے۔ کہ جو دوسری صورت میں ممکن نہیں۔ تو جب خیالات ایمان کی حالت میں آ جائیں۔ تو تم سمجھ سکتے ہو۔ کہ ان سے کس قدر طاقت پیدا ہو سکتی ہے۔ اس سے ایسی آگ پیدا ہوتی ہے۔ کہ جو دنیا کی سب گاڑیوں کو کھینچ کر لے جائے۔

پس کارکنوں میں ایسا جذبۂ یقین پیدا ہونا چاہیئے۔ جو طالب علموں کے اندر بھی سرائت کر جائے۔ اور جب دونوں کے اندر ایک سے جذبات ہوں گے۔ تو ایک ایسا نتیجہ نکلے گا۔ جو دینی اور دنیوی دونوں لحاظ سے مفید ہوگا۔

ہمارے سکول کا مقصد

صرف یہ نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ طلباء پاس ہو جائیں۔ انہیں کم سے کم قرآن کریم کا اس قدر ترجمہ آنا چاہیئے۔ کہ قرآنی مطالب کا سمجھنا ان کے لئے سہل اور آسان ہو جائے۔ اگر یہ چیز پیدا نہیں ہو سکتی۔ تو نتیجہ خواہ کیسا اچھا نکلے۔ وہ مفید نہیں ہو سکتا۔

ماسٹر محمد دین صاحب کے اس خیال سے میں متفق ہوں۔ کہ یہ کامیابی دراصل

ٹیم کی کوششوں کا نتیجہ

ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ چند سالوں سے اللہ تعالےٰ نے ہمیں بعض ایسے اساتذہ دیئے ہیں۔ جو نہایت محنت سے کام کرتے ہیں۔ لیکن ماسٹر صاحب کے اس خیال سے میں متفق نہیں ہوں۔ کہ انہوں نے جب ہائی کلاسز کو پڑھانا چھوڑا ہے۔ نتائج اچھے نکل رہے ہیں۔ وہ اگر چھوٹی جماعتوں کو پڑھاتے ہیں۔ تو اس کے یہ معنے نہیں۔ کہ بڑی جماعتوں کے نتائج میں ان کی کوششوں کا دخل نہیں۔ بلکہ ان کا چھوٹی جماعتوں کو پڑھانا لڑکوں کے اندر ایسی قابلیت پیدا کر دیتا ہے۔ کہ وہ آگے جا کر

اچھے نتائج

پیدا کر سکیں۔ اور نتائج کی خرابی کی ایک بڑی وجہ یہی ہوتی ہے۔ کہ بعض طالب علم چھوٹی جماعتوں سے کمزور آتے ہیں۔ بہرحال یہ کامیابی ایک شخص کے کام کی نہیں۔ بلکہ سب کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اور سارے ہی تعریف کے مستحق ہیں۔ اور میں امید کرتا ہوں۔ کہ اب وہ گول کے قریب پہنچکر سست نہیں ہو جائیں گے۔ بلکہ کوشش کریں گے۔ کہ ترقی زیادہ ہو۔ اور نتائج سو فی صدی نکلیں۔ اور جب اس میں کامیابی ہو جائے۔ تو پھر کوشش کریں۔ کہ طلباء یونیورسٹی میں خاص امتیاز حاصل کر سکیں۔ اور جب یہ حاصل ہو جائے۔ تو پھر کوشش کریں۔ کہ دنیوی تعلیم کے ساتھ طلباء دینی لحاظ سے بھی ترقی کریں۔ اور وہ غرض پوری ہو سکے۔ جو اس سکول کو قائم کرنے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مدنظر تھی۔ چونکہ سنت ہے۔ کہ جو دعوت کرے۔ اس کے لئے دعا کی جائے۔ اس لئے میں دعا کرتا ہوں۔ دوسرے دوست بھی شامل ہوں۔ (الفضل)

ثنائی مشن!

"مولوی ثناء اللہ صاحب کی حیرانی"

جماعت احمدیہ کا یہ دعویٰ ہے۔ کہ ہر مذہب کی مذہبی کتابوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق پیشگوئیاں موجود ہیں۔ صرف یہ زبانی دعویٰ نہیں۔ بلکہ خدا کے فضل سے ہمارے پاس اتنے دلائل ہیں۔ کہ ہر عقلمند اور سعید فطرت انسان اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ مگر تاریکی کے فرزند اس پر اپنی حیرانی کا اظہار کرتے ہیں۔ کہ کیا تمام کتب میں حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کے متعلق پیشگوئیاں ہیں چنانچہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری جو ہر وقت اپنی ناکامی اور نامرادی میں پریشان رہتے ہیں۔ اپنی حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"مرزائیوں کی جرأت کو تو دیکھئے۔ کہ مرزا صاحب کی اپنی پیشگوئیوں کے علاوہ یہ دعوےٰ بھی کرتے ہیں۔ کہ کتب سابقہ میں بھی مرزا صاحب کے حق میں پیشگوئیاں آئی ہیں"۔ (اہلحدیث ۱۷ ؍ جون ۱۹۳۸ء صفحہ ۷) مولوی ثناء اللہ صاحب یہ سمجھتے ہیں۔ کہ کنوئیں کے مینڈک کی طرح ساری دنیا میری طرح کی ہوگی۔ مگر مولوی صاحب کو یہ پتہ نہیں۔ کہ جماعت احمدیہ کی نظر صرف ڈھاب کھٹیکاں تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ خدا [illegible] سے احمدی جماعت کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ علاوہ قرآن مجید اور احادیث و کتب اسلام کے کتب سابقہ سے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق ثابت کرتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا تعالےٰ کے برگزیدہ اور راستباز تھے۔ اور عین وقت پر مبعوث ہوئے تھے۔

چنانچہ پارسی مذہب کی کتاب میں لکھا ہے:- جب ایران کے لوگ ایسی ایسی بدکرداریوں میں مرتکب ہونے لگیں گے۔ تو عرب سے ایک مرد بزرگ کا ظہور ہوگا۔ جس کے پیرو ایران کے تاج و تخت کو درہم برہم کر دیں گے۔ زبردست ہو جائیں گے۔ بتکدوں اور آتشکدوں کی جگہ ایک آباد گھر قائم ہوگا۔ جس میں کوئی تصویر نہ ہوگی۔ اور لوگ اسکی طرف منہ کرکے نماز پڑھیں گے۔ پھر کچھ مدت بعد ان میں تفرقہ پڑ جائیگا۔ وہ خاک پرستی کرنے لگیں گے۔ بغض و عداوت ان میں روز بروز بڑھتی جائیگی۔ بعد ازاں تمہارے لئے خوشخبری ہے۔ کہ اگر دنیا کے خاتمہ پر ایک ساعت بھی باقی رہی ہوگی۔ تو میں تیرے لوگوں میں سے (یہ اماھکم منکم کی طرف اشارہ ہے۔ مجاہد) ایک شخص کو کھڑا کرونگا۔ تیرا آئین اور تیری رونق تجھے پھر دوں گا۔ اور تیرے فرزندوں سے پیغمبری و پیشوائی واپس نہ لوں گا۔" (دساتیر صفحہ ۱۸۸)

جو لوگ کہتے ہیں۔ کہ نبوت ختم ہو گئی۔ وہ الفاظ "تیرے فرزندوں سے پیغمبری و پیشوائی" پر غور کریں۔ اس کے علاوہ گرنتھ۔ انجیل۔ تورات۔ جنم ساکھی۔ گیتا۔ وغیرہ کتابوں میں بھی نہایت واضح الفاظ میں پیشگوئیاں کی گئی ہیں۔ اور دانیال نبی نے تو مسیح موعود کا زمانہ بھی مقرر کر دیا ہے۔ دیکھو دانیال نبی کی کتاب۔ اسی طرح طالمود میں لکھا ہے۔ "پہلا مسیح جو آئیگا۔ وہ چنداں کامیاب نہیں ہوگا۔ اور وہ شادی نہیں کریگا۔ اور دوسرا مسیح جو آئیگا۔ وہ شادی کریگا۔ اور اسکی اولاد ہوگی۔ اور اس کا لڑکا اس کا جانشین ہوگا"۔ طالمود مطبوعہ لنڈن مصنف مسٹر بارکلے) یہ دو پیشگوئیاں ایسی ہیں۔ کہ ہر سعید فطرت انسان ان پر اگر گہری نظر دوڑائے۔ تو اسکی تسلی کا موجب ہو سکتی ہیں۔ سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے کافی ہے۔

(بقیہ دیکھو صفحہ ۹ کالم ۳ سے)

ایک نکاح کا خطبہ

فرمودہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ

۲۰؍جون سیدنا حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز نے ایک نکاح کا اعلان کرتے ہوئے حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

آیات مسنونہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

نکاحوں کے بارے میں **ہمارے ملک میں ایک غلطی** ہو رہی ہے۔ کہ جہاں مرد ولی نہیں ہوتے۔ وہاں عورتوں کو ولی ٹھہرایا جاتا ہے۔ چنانچہ یہی فارم جو اس وقت میرے ہاتھ میں ہے۔ اس میں بھی اسی قسم کی غلطی کی گئی ہے۔ یعنی لڑکی کی والدہ ولی ہے۔ گو یہ صرف ایک اصطلاحی غلطی ہے۔ کیونکہ لڑکی کی والدہ نے مجھ سے دریافت کر لیا ہے۔ اور میرے مشورہ سے اس نے یہ کام کیا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے۔ کہ میرے کہنے پر اس نے یہ کیا ہے۔ صرف اصطلاح کے طور پر والدہ ولی بنی ہے۔ مگر بہرحال ہماری شریعت میں ولی مرد کو ہی مقرر کیا گیا ہے۔ چنانچہ حدیثوں میں آتا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت نکاح کرانے کے لئے آئی۔ تو آپ نے اس کے لڑکے کو جس کی عمر غالباً دس یا گیارہ سال تھی۔ ولی بنایا۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ ولی مرد ہی ہوتے ہیں۔ اس عورت کا چونکہ اور کوئی مرد ولی نہیں تھا۔ اسلئے رسول کریم صلے اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے اس لڑکے سے دریافت کرنا ضروری سمجھا۔

شریعت اسلامیہ کا قاعدہ ہے۔ کہ جس عورت کا کوئی ولی نہ ہو۔ اسکی **ولایت حکومت کے ذمہ** ہوتی ہے۔ حکومت خواہ سیاسی ہو۔ خواہ دینی۔ اس کا فرض ہے۔ کہ وہ اس لڑکی کی جس کا کوئی مرد ولی نہیں۔ ولی بنے۔ ہاں لڑکی کی والدہ سے مشورہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ دیگر رشتہ داروں سے بھی مشورہ کرے مگر آخری فیصلہ حکومت کے ہاتھ میں ہے۔ اور اس کا حق ہے۔ کہ جہاں اسکی والدہ یا دیگر رشتہ دار پسند کرتے ہیں۔ اگر اسے ان میں کوئی غلطی نظر آئے۔ یا لڑکے میں کسی قسم کا عیب دیکھے۔ تو انکار کر دے۔ اور ان کے مشورہ کو رد کر دے۔ شریعت نے مرد کو اس لئے ولی ٹھہرایا ہے۔ کہ وہ عورت کی نسبت **مرد کے حالات اور جذبات** کو زیادہ عمدگی سے دیکھ سکتا ہے۔ وہ دیکھ سکتا ہے۔ کہ آیا یہ مرد دھوکہ بازی تو نہیں کریگا۔ یا اس میں کسی قسم کا عیب تو نہیں۔ اس قسم کے حالات معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ مرد ہی ولی ہو۔ مرد کی نسبت عورت ناواقف ہوتی ہے۔

یہ فارم جو اس وقت میرے پاس ہے۔ اس میں گو یہ اصطلاحی غلطی ہے۔ مگر لڑکی کی ماں کو مرد کے حالات کا پہلے سے ہی علم ہے۔ کیونکہ ان کی پہلے سے ہی رشتہ داری ہے۔ لیکن ایسا شاذونادر ہی ہوتا ہے۔ **قاعدہ میں عمومیت دیکھی جاتی ہے** عورتوں میں سے سو میں سے پچانویں ایسی ہوتی ہیں۔ جو مرد کے حالات سے واقف نہیں ہو سکتیں۔ باقی پانچ فی صدی عورتیں رہ جاتی ہیں۔ اور یہ تعداد بہت کم ہے۔ قاعدہ کی بناد ہمیشہ عمومیت پر ہوتی ہے۔ مرد کو شریعت نے ولی اس لئے بنایا ہے۔ کہ وہ دیکھے۔ لڑکے میں کوئی نقص یا عیب تو نہیں۔ عورت ان حالات کو کیا جان سکتی ہے۔ الاماشاءاللہ بعض عورتیں جانتی ہوں گی۔ مگر **مسئلہ یہی ہے کہ ولی مرد ہو** اور جس کا کوئی ولی نہ ہو۔ اسکی ولی حکومت ہوتی ہے۔ خواہ دنیاوی حکومت ہو یا روحانی اس نکاح میں جس قسم کے حالات کے ماتحت عورت ولی بنی ہے۔ اس قسم کے حالات ہزاروں میں سے ایک کے ہوتے ہیں۔ مرد نکاح کرنے والے کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور بعض دفعہ آدمی کو آنکھوں سے دیکھ کر ہی معلوم کر لیا جاتا ہے۔ کہ وہ کس قسم کا ہے۔

مرد اس کے اخلاق کا جائزہ لیتا ہے۔ اس کے بولنے کے طریق کو دیکھتا ہے۔ اس کے لین دین پر نظر رکھتا ہے۔ اسکی مجلس دیکھتا ہے کہ یہ کس قسم کے لوگوں کے پاس بیٹھتا ہے۔ اس کے سودا سلف خریدنے کی طرف دیکھتا ہے۔ کہ کہیں دھوکہ بازی تو نہیں کرتا۔ غرضیکہ کہ وہ اس کے اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے اور بولنے کو دیکھتا ہے۔ اور معلوم کر لیتا ہے۔ کہ یہ کس قسم کا آدمی ہے۔ مگر عورت کہاں یہ حالات معلوم کر سکتی ہے۔ شریعت نے اسی امر کو مدنظر رکھتے ہوئے مرد کو حق دیا ہے۔ ہاں **استثنائی صورت** میں یہ ہو سکتا ہے۔ کہ اس شخص کے اخلاق وغیرہ دیکھنے کی ضرورت ہی نہ ہو۔ مثلاً رسول کریم صلے اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے نکاح کے وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے اخلاق دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ وہاں تو نبوت کا سوال تھا۔ اس قسم کے واقعہ سے بھی شریعت کا مسئلہ نہیں ٹوٹتا۔ بلکہ قائم رہتا ہے۔ کیونکہ نبی تو ایک ہی ہوتا ہے۔ اور وہ بھی اربوں ارب میں سے ایک۔ تو قاعدہ وہی ہے۔ البتہ **استثنائی صورت نبی کے لئے ہو سکتی ہے** اس قاعدہ کی مثال بالکل ایسی ہی ہے۔ جیسے ہماری شریعت کہتی ہے کہ جب آپس میں معاملہ طے کرو۔ تو اسکو تحریر میں لے آیا کرو۔ باوجود اس قاعدہ کے بعض ایسے لوگ ہوتے ہیں۔ کہ ان کے پاس جتنی امانت رکھی جائے۔ جب بھی چاہو۔ ان سے لے سکتے ہو۔ سودا وغیرہ دوکانداروں سے لیا جاتا ہے۔ تو بغیر تحریر کے دوکاندار سودا دے دیتے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہوتی ہے۔ کہ ان کو یقین ہوتا ہے۔ کہ وہ دھوکہ بازی نہیں کریں گے۔ ان حالات کی موجودگی میں تحریر کرنے والا قاعدہ بدل نہیں سکتا۔ وہ قاعدہ ویسا ہی قائم ہے۔ جیسے پہلے تھا۔ تو ولی مرد ہی ہو سکتا ہے۔ ولایت کا پہلا حق باپ کو ہے۔ اگر وہ نہ ہو۔ تو بھائی ولی ہوتے ہیں۔ اور اگر وہ بھی نہ ہوں۔ تو عورت کے بھائی ولی ہوتے ہیں۔ اور اگر کوئی مرد ولی نہ ہو۔ تو حکومت ولی ہوتی ہے۔ خواہ وہ حکومت روحانی ہو یا جسمانی۔ البتہ حکومت کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے۔ کہ وہ لڑکی کی والدہ سے مشورہ کرے۔ ہمارے پاس اگر ایسے رشتے آئیں۔ تو ہم لڑکی کی ماں سے مشورہ کرنے کے بعد ہی رشتہ کریں۔ اور بسا اوقات اسکی مرضی ہی مقدم رکھی جاتی ہے۔ مجھے تو یاد نہیں۔ کہ اس قسم کا واقعہ ہوا ہو۔ اگر ہوا بھی ہو۔ تو اس قدر کم۔ کہ وہ اب یاد بھی نہیں رہا۔ بالعموم **ماں کی مرضی** دیکھی جاتی ہے۔ البتہ وکالت اور ولایت کوئی عورت نہیں کر سکتی۔ تو ایسے حالات میں کہ لڑکی کا کوئی ولی نہ ہو۔ خلیفہ یا اس کا کوئی نمائندہ اس کا ولی ہو گا۔

نکاح کے بارے میں مجھ سے آج ہی **علماء کی طرف سے ایک سوال** کیا گیا ہے۔ اس سوال کا تعلق بھی نکاح سے ہی ہے۔ اسلئے میں چاہتا ہوں۔ کہ اس موقعہ پر اپنے خیالات کا اظہار کر دوں۔

گذشتہ دنوں ہمارے ایک عالم نے دوسری شادی کرنے کا ارادہ کیا۔ تو دوسرے بعض علماء نے ان پر اعتراض کیا۔ اس عالم نے جواب میں انہیں کہا۔ کہ خلیفۃ المسیح کا منشاء یہ ہے۔ کہ ایک سے زیادہ شادیاں کی جائیں۔ اور تفسیر قرآن کی رو سے بھی خلیفۃ المسیح کے نزدیک ایک سے زیادہ شادیاں کرنی اچھی ہیں۔ اس پر اعتراض کرنے والے علماء میرے پاس آئے۔ اور سوال کیا۔ کہ یہ مسئلہ بتائیں۔ میں نے انہیں کہا۔ کہ میرے نزدیک قرآن سے یہی ثابت ہے۔ کہ **ایک سے زیادہ شادیاں کرنی چاہئیں** اور قرآن مجید نے بھی کثرت کو پہلے رکھا ہے۔ اور ایک شادی کو بعد میں بیان کیا ہے۔ اس پر حضور نے فرمایا۔ کسی کے پاس قرآن مجید ہے۔ تو ایک دوست نے قرآن مجید حضور کو دیا۔ اور حضور نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ وان خفتم الا تقسطوا فی الیتامٰی فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنٰی وثلٰث وربٰع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم) میں نے ان دوستوں کو کہا۔ کہ شریعت نے جسے مقدم بیان کیا ہے میں بھی اسے مقدم ہی جانتا ہوں۔ اور جسے مؤخر یعنی بعد میں ذکر کیا ہے۔ میں بھی اسے موخر ہی قرار دیتا ہوں۔ قرآن مجید یہ نہیں کہتا کہ ایک شادی کرو۔ اور اگر اس کے بعد ضرورت پیش آئے۔ تو ایک سے زیادہ شادیاں کرو۔ بلکہ قرآن مجید نے مثنٰی۔ ثلٰث۔ اور ربٰع کو پہلے رکھا ہے۔ اور پھر کہا ہے۔ کہ اگر دو۔ تین اور چار شادیاں کرنے سے تم پر خوف کی حالت طاری ہوتی ہو۔ تو فواحدۃً ایک ہی شادی کرو۔ تو ایک شادی کی اجازت اس صورت میں ہے۔ جبکہ انسان کو خوف لاحق ہو۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ایک اور بات میں نے ان کے سامنے یہ پیش کی۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہیں۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا اسوہ

ہمارے سامنے ہے۔ آج ایک اور دوست نے بھی ایک سوال پیش کیا ہے۔ کہ اگر ہر مرد چار چار شادیاں کرنے لگ جائے۔ تو اتنی عورتیں کہاں سے آئیں گی۔ میں نے انہیں بتایا۔ کہ یہ وہم اس لئے پیدا ہوا ہے۔ کہ لوگ الا تعدلوا کے معنے نہیں سمجھتے۔ قرآن کریم میں بڑی بڑی باریکیاں اور بڑی بڑی حکمتیں بیان کی گئی ہیں۔ بعض لوگ قرآن کریم کے الفاظ کی باریکیاں اور حکمتیں نہیں جانتے۔ اس لئے ان کے دلوں میں اس قسم کا وہم پیدا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ و ان خفتم الا تعدلوا یہاں عدل کے معنے تو انصاف کے ہی ہیں۔ مگر لوگ غلطی سے اس کے معنے وان خفتم الا تعدلوا بینھن کر لیتے ہیں۔ کہ اگر تم عورتوں کے درمیان عدل نہ کر سکو۔ تو پھر ایک ہی شادی پر اکتفا کرو۔ حالانکہ یہ معنے صحیح نہیں۔ بلکہ اللہ تعالےٰ نے صرف یہ فرمایا ہے۔ کہ اگر عدل نہ کر سکو۔ تو پھر ایک شادی کی اجازت ہے۔

عدل کی مختلف صورتیں ہیں

مثلاً ایک آدمی کے پاس کھانے کو کچھ نہیں۔ صرف دو روٹیاں اپنی بیوی کو کھانے کے لئے دیتا ہے۔ اب اگر وہ دوسری شادی کریگا۔ تو لازماً وہ اپنی دونوں بیویوں کو ایک ایک روٹی کھانے کے لئے دیگا۔ اب وہ کہے۔ کہ میں نے دونوں کے درمیان عدل کیا۔ تو یہ معنے عدل کے نہیں۔ بلکہ عدل کے معنے یہ ہیں۔ کہ اتنی روٹی دو۔ جس سے پیٹ بھر جائے۔ اگر ایک عورت کو دو روٹیوں کی بھوک ہے۔ اور اسے ایک روٹی دی جائے۔ تو یہ عدل نہیں۔ بلکہ ظلم ہے۔ یا مثلاً ایک شخص اپنی بیویوں کو کپڑا دے۔ ایک بیوی کا تو اس میں کرتہ بن جائے۔ اور ایک کا پاجامہ بن جائے۔ یا دونوں کے کرتے یا پاجامے بن جائیں۔ اور ان کا خاوند کہے۔ کہ میں نے عدل کیا ہے۔ تو یہ عدل نہیں۔ قرآن مجید میں یہ نہیں ہے۔ کہ ایک کو پاجامہ دو۔ اور ایک کو کرتہ۔ بلکہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ کہ عورتوں کو پورا لباس دو۔

ایک دوسری صورت ان لا تعدلوا کی یہ بھی ہے۔ کہ قوتِ مردمی کمزور ہو۔ اور

عورت کے حقوق

کو انسان پورا نہ کر سکتا ہو۔ مثلاً ایک شخص ایک بیوی سے سال میں ایک دفعہ جماع کرتا ہے۔ وہ شخص یہ خیال کرے۔ کہ اب عدل یہی ہے۔ کہ دوسری بیوی سے بھی سال بھر میں ایک ہی دفعہ جماع کرے۔ تو یہ عدل نہیں کہلائے گا۔ بلکہ دونوں پر ظلم کرنے والا سمجھا جائیگا۔ تو قرآن مجید ہمیں عدل کرنے کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ ایک اور جگہ فرماتا ہے۔ ان اللہ یامرکم بالعدل کہ اللہ تعالےٰ تمہیں عدل یعنی انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے۔

عدل کے معنے

یہ نہیں۔ کہ دو آدمیوں کو برابر کا حصہ دو۔ بلکہ یہ معنے ہیں۔ کہ ہر شخص کو اس کا حق دو۔ اگر برابر حصہ دینا ہی عدل کے معنے ہوں۔ تو اللہ تعالےٰ کے مقابلہ میں کون ہے۔ جہاں عدل کرنے کا حکم ہے۔ اللہ تعالےٰ کے معاملہ میں عدل کرنے کے یہ معنے ہیں۔ کہ اسے اسکی وحدانیت میں یکتا سمجھا جائے۔ دو خدا تو ہیں نہیں۔ کہ نصف وحدانیت ایک خدا کو دی جائے۔ اور نصف دوسرے کو۔ اگر خدا کی وحدانیت میں کسی اور کو شریک کیا جائے۔ تو یہ ظلم ہوگا۔ اسی طرح بیویوں کو ان کے اپنے اپنے حقوق دیئے جائیں۔ تو عدل ہے لوگوں کو یہ وہم اس لئے پیدا ہوا ہے۔ کہ وہ الا تعدلوا کے معنے نہیں سمجھے۔ اگر میرے ان معنوں کو لیا جائے۔ تو پھر کسی قسم کا اعتراض نہیں رہتا۔ ہمارے ملک میں ۸۰ فیصدی لوگ ایسے ہیں۔ جو دو عورتوں کو پیٹ بھر کر روٹی نہیں دے سکتے۔ ایسے لوگوں کے لئے

فواحدۃً کا حکم

ہے۔ کہ وہ ایک ہی شادی کریں۔ باقی بیس فی صدی لوگ رہ جاتے ہیں۔ ان میں سے بھی بعض لوگ عدل نہیں کر سکتے۔ بعض کے قویٰ جسمانی مضبوط نہیں ہوتے۔ بعض کے جسمانی قویٰ تو مضبوط ہوتے ہیں۔ اور اس صورت میں وہ دو یا دو سے زیادہ عورتیں کر سکتے ہیں۔ مگر الگ الگ مکان بیویوں کے لئے نہیں بنا سکتے۔ حالانکہ شریعت یہ کہتی ہے کہ

بیویوں کے لئے علیحدہ علیحدہ مکان

ہونے چاہئیں۔ ہماری جماعت میں اس قسم کے جھگڑے بہت ہوتے ہیں۔ کہ مرد اپنی بیویوں کے لئے علیحدہ علیحدہ مکان نہیں بنواتے۔ تو ان معنوں کی رو سے جو میں نے عدل کے کئے ہیں۔ سو میں سے کوئی ہی ہوگا۔

جو ایک سے زیادہ شادیاں کر سکتا ہو۔ اس دوست نے یہ بھی کہا تھا۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا ہے۔ مالی تنگی کی حالت میں شادی کرو۔ تو تنگی دور ہو جاتی ہے۔ یہ بھی

ایک وسوسہ

ہے۔ میں نے انہیں اس کا یہ جواب دیا۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا یہ مطلب نہیں۔ کہ ہر انسان جو دوسری شادی کرے۔ اس کا مال بڑھ جاتا ہے۔ ہم نے دیکھا ہے۔ بیسیوں لوگ دوسری شادیاں کرتے ہیں۔ اور وہ تنگ دست ہو جاتے ہیں۔ اور عورت کو منحوس کہنے لگ جاتے ہیں۔ اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں۔ کہ ایک شخص نے دوسری شادی کی۔ تو وہ نوکری سے برطرف ہو گیا۔ یا تجارت میں گھاٹا پڑ گیا۔ یا اس قسم کی اور کوئی تکلیف انہیں پہنچی۔ ہمارے

عام محاورہ میں

بھی یہ استعمال ہوتا ہے۔ کہ فلاں شخص نے دوسری شادی کی۔ تو اسکی حالت گر گئی۔ درحقیقت اس شخص کے متعلق رسول کریم صلے اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو کشفی طور پر یا رؤیا میں معلوم ہوا ہوگا۔ کہ شادی کرنے کے بعد اسکی حالت اچھی ہو جائیگی۔ چنانچہ جب وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے پاس آیا۔ اور اپنا حال عرض کیا۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اسے دوسری شادی کرنے کے لئے ارشاد فرمایا۔ جب اس نے دوسری شادی کی۔ اور اسکی حالت نہ سدھری۔ تو پھر رسول کریم صلے اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے پاس آیا۔ اور عرض کیا۔ تو چونکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو علم تھا۔ کہ اس کے لئے جو بھلائی مقدر ہے۔ وہ شادی ہی میں ہے۔ اس لئے آپ نے فرمایا۔ ایک اور شادی کر لو۔ اس نے تیسری شادی کی۔ پھر بھی اسکی حالت اچھی نہ ہوئی۔ وہ پھر رسول کریم صلے اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے پاس آیا۔ اور عرض کیا۔ تو رسول کریم صلے اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا اور شادی کر لو۔ چنانچہ اس نے کر لی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے پاس وہ آیا۔ اور آپ نے اس سے حال دریافت فرمایا۔ تو اس شخص نے بتایا۔ کہ اب میری تنگی دور ہو گئی ہے۔ اور آرام ہی آرام ہے۔ بعض دفعہ کشف اور رؤیا کے بغیر بھی اپنی فراست سے مومن ایک بات کہتا ہے۔ اور وہ پوری ہو جاتی ہے۔

یہاں ایک شخص بہائی عورت بیاہ کر لایا۔ وہ اسے میرے پاس لایا۔ اس وقت میں گول کمرہ میں بیٹھا کرتا تھا۔ اور کہا۔ کہ آپ اسے تبلیغ کریں۔ مجھے اس وقت ایسا معلوم ہوا۔ کہ

میری اور اسکی روحیں آپس میں ٹکراتی ہیں

مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا۔ کہ میرے جسم سے ایک چیز نکل کر اس میں داخل ہونا چاہتی ہے۔ مگر اس کے جسم سے ایک چیز نکل کر اس سے ٹکراتی ہے۔ اس سے میں نے معلوم کر لیا۔ کہ یہ عورت ہدایت نہیں پائے گی۔ چنانچہ وہ مدتوں یہاں رہی۔ اور احمدی نہ ہوئی۔ ایک دفعہ اس نے بعض اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے احمدیت کا اظہار بھی کیا۔ مگر بعد میں پھر وہ اپنی پہلی حالت پر آ گئی۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو کسی خاص حالت کے متعلق کشف یا القا ہو جانا اور بات ہے۔ اور الا تعدلوا میں جس عدل کی طرف اللہ تعالےٰ نے اشارہ فرمایا ہے۔ یہ اور بات ہے۔ میں نے گذشتہ جمعہ کے خطبہ میں بتایا تھا۔ کہ

لوگ منگل کے دن کو منحوس سمجھتے ہیں۔

اور اسکی دلیل یہ دیتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام منگل کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ اگر کسی شخص کو علم ہو جائے۔ کہ فلاں دن تیرے لئے اچھا نہیں۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ وہ دن ہر شخص کے لئے اچھا نہیں ہوتا۔ بعض لوگوں کے لئے اتوار کا دن منحوس ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کے لئے جمعہ کا دن بھی منحوس ہو جاتا ہے۔ اگر کسی شخص کا باپ جمعہ کے روز مر جائے تو کیا وہ ہنسے گا۔ مئی کا مہینہ کوئی منحوس مہینہ نہیں۔ مگر جب یہ مہینہ آتا ہے۔ ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جدائی کا خیال آ جاتا ہے۔ اور ہمیں تکلیف ہوتی ہے۔ عام مسلمانوں کو جب بارہ وفات کا دن آتا ہے۔ تکلیف ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ تاریخ وفات غلط ہے۔ مگر پھر بھی چونکہ وہ اس دن کو رسول کریم صلے اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی وفات کا دن سمجھتے ہیں۔ اس لئے جونہی یہ دن آتا ہے۔ مسلمانوں میں گدگدی شروع ہو جاتی ہے۔ اور وہ غم اور درد کے باعث روتے ہیں۔

کثرت ازدواج اسلام میں پسندیدہ ہے

اور فواحدۃً بعض حالات کے نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور جب الا تعدلوا کے وہ معنے جو میں نے کئے ہیں۔ لئے جائیں۔ تو پھر کسی قسم کا اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ اس سے پہلے اللہ تعالےٰ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

فرماتا ہے۔ فان خفتم الا تقسطوا۔ کہ اگر تمہیں ڈر ہو۔ کہ تم انصاف نہ کر سکو۔ اب اس عدل کے ساتھ الا تعدلوا والا عدل عام بھی دیکھنا ضروری ہے۔ مثلاً مرد اپنی ایک بیوی کے رشتہ داروں سے حسن سلوک سے پیش آئے۔ اور دوسری بیوی کے رشتہ داروں سے حسن سلوک سے پیش نہ آئے۔ تو یہ عدل کے خلاف ہوگا۔ اور اگر ایک آدمی ایک

بیوی کے رشتہ داروں سے حسن سلوک

کرتا ہے۔ اور دوسری بیوی کے رشتہ داروں سے حسن سلوک نہیں کرتا۔ تو وہ عدل نہیں کر رہا اسے چاہیئے۔ کہ وہ اس بیوی کو طلاق دے دے اور اگر عدل چاہتا ہے۔ تو اسکی یہی صورت ہے۔ کہ وہ دونوں بیویوں کے رشتہ داروں سے حسن سلوک کرے۔ بیوی یہ کہاں برداشت کر سکتی ہے۔ کہ اس کے پاس اس کا خاوند ایک گھنٹہ بیٹھے۔ مگر جب اس کا بھائی اس کے پاس آئے۔ تو وہ اسے ایک چپیڑیں لگا دے۔ وہ اس ایک گھنٹہ کے بیٹھنے سے خوش نہ ہوگی۔ جب تک اس کے بھائی اور دیگر رشتہ داروں سے حسن سلوک نہ کیا جائے اسکی خواہش یہی ہوگی۔ کہ جیسے مجھ سے خاوند محبت کرتا اور میری عزت کرتا ہے۔ اسی طرح میرے بھائی اور والدین سے بھی محبت کرے۔ اور انکی عزت کرے۔ تو

الا تعدلوا کے معنی اپنے اندر بہت وسعت

رکھتے ہیں۔ کئی ہوتے ہیں۔ جو کپڑے میں عدل نہیں کر سکتے۔ کئی ہوتے ہیں۔ جو روٹی میں عدل نہیں کر سکتے۔ اور کئی ہوتے ہیں۔ جو مکان کے معاملہ میں عدل نہیں کر سکتے۔ تو ان سب صورتوں میں مرد کے لئے حکم ہے کہ فواحدۃ وہ ایک ہی شادی کرے۔ جیسا کہ سوال کرنے والے دوست نے کہا ہے۔ کہ اگر ہر مرد چار شادیاں کرنے لگ جائے۔ تو کئی لوگ کنوارے رہ جائیں گے اور ان کو رشتہ نہیں ملیگا۔ یہ وسوسہ بھی اگر الا تعدلوا پر غور کیا جائے۔ تو دور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ زیادہ شادیاں کرنا اس صورت میں عدل نہیں کہلا سکے گا۔ بلکہ

دوسروں پر ظلم

ہوگا۔ تو الا تعدلوا کے معنے بہت زیادہ وسیع ہیں۔ ہاں قرآن کریم نے جسے افضل قرار دیا ہے۔ وہ افضل ہے۔ قرآن کریم نے دو دو تین تین اور چار چار شادیاں کرنے کو مقدم رکھا ہے۔ بعض لوگ اسجگہ یہ سوال کر دیتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ نے پہلے مثنیٰ کا ذکر کیا ہے۔ پھر ثلث کا۔ پھر ربٰع کا۔ اس لئے سب سے افضل دو شادیاں ہیں۔ اس کے بعد تین اور پھر چار۔ لیکن یہ بھی غلط ہے۔ یہ تقدیم و تاخیر عدد کے چھوٹے اور بڑے ہونے کی وجہ سے ہے۔ ہمارے ملک میں بھی اور عربی زبان میں بھی چھوٹے عدد کو پہلے بیان کیا جاتا ہے۔ اور بڑے عدد کو بعد میں۔

عدد کو درجے کے لحاظ سے بیان کرنا فصاحت ہے

اور بغیر درجہ کے بیان کرنا فصاحت نہیں۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے۔ کہ ہر شخص کے اپنے اپنے حالات ہوتے ہیں۔ جس کے حالات دو شادیاں کرنے کی اجازت دیتے ہوں۔ وہ دو کرے۔ اور جس کے حالات تین یا چار شادیاں کرنے کی اجازت دیتے ہوں۔ وہ تین یا چار کرے۔ اور اس سے بڑھ کر کوئی نہ کرے۔ اور اگر دو یا تین یا چار کرنے کی حالات اجازت نہیں دیتے۔ تو پھر ایک کرے۔

حدیثوں میں آتا ہے۔ کہ یاجوج ماجوج کے زمانہ میں بہت سے مرد مر جائیں گے۔ اور عورتیں کثرت سے ہو جائیں گی۔ یہاں تک لکھا ہے۔ کہ

دس مردوں میں سے سات مرد مر جائیں گے

اور جب دس میں سے سات مر جائیں گے۔ تو باقی تین رہ جائیں گے۔ اس لحاظ سے بعض مردوں کو تین تین شادیاں کرنی پڑیں گی۔ اور بعض کو چار چار کرنی پڑیں گی۔ اس وقت عدل یہی ہوگا کہ شادیاں زیادہ کی جائیں۔ مثلاً اگر ہمیں ایک ایسی جگہ سے گزرنا پڑے۔ جہاں ایک بچہ اور ایک پہلوان لیٹا ہے۔ اور دوسرا رستہ گذرنے کا نہ ہو۔ اور ہم مجبور ہوں۔ کہ ان میں سے کسی پر پاؤں رکھ کر گذریں۔ تو اس وقت لازماً بچہ پر ہم پیر نہیں رکھیں گے۔ کیونکہ وہ ہمارے بوجھ کو برداشت نہیں کر سکے گا۔ اور پہلوان پر پاؤں رکھ کر گذر جائیں گے۔ کیونکہ وہ ہمارے بوجھ کو برداشت کر سکتا ہے۔ تو عدل اسے بھی کہتے ہیں۔ کہ جب انسان مجبور ہو جائے دو ظلموں میں سے ایک کے کرنے پر۔ تو چھوٹا ظلم کرے۔ اور بڑے کو چھوڑ دے۔ اس وقت بعض کمزور مردوں کو بھی کہا جائیگا۔ کہ وہ زیادہ شادیاں کریں۔ خواہ اس صورت میں عورتوں کے حقوق تلف بھی ہوتے ہوں۔ کیونکہ ایسے موقعہ پر عدل یہی ہوگا۔ کہ فواحدۃ والی شرط کی بجائے مثنیٰ و ثلث و ربٰع کی شرطوں کو مدنظر رکھا جائے۔

یورپ کے مصنفین

نے لکھا ہے۔ کہ عرب کے حالات کے مطابق اس زمانہ میں کثرت ازدواج بہت ضروری تھا۔ کیونکہ ملک کے رسم و رواج اور عورتوں کی کثرت کے باعث ایک سے زیادہ شادیاں کرنے پر مجبور تھے۔ اور یہ ان کا قومی فرض تھا۔ یہ بات گو ادنیٰ ہے۔ مگر ہے با دلیل۔ دوسرے کسی زمانہ میں جب عورتوں کی کثرت ہو۔ تو اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ اس وقت فواحدۃ کی شرط نہیں رہے گی۔

پس اس آیت کے معنے جو میں نے بیان کئے ہیں۔ اگر سمجھ لئے جائیں۔ تو کسی قسم کا اعتراض نہیں رہتا۔ (الفضل)

وصیّتیں

ع ۶۰۱۷۔ منکہ حلیمہ بیگم زوجہ بابو عبدالحمید صاحب قوم پٹھان عمر ۴۶ سال پیدائشی احمدی ساکن لاہور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱ ۶/۳۸ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری جائیداد حسب ذیل ہے۔

(۱) ایک ٹکڑا زمین دو کنال واقعہ محلہ دارالفضل قادیان اندازاً قیمت ایک ہزار روپیہ

(۲) زیور طلائی وزنی پچیس تولہ جسکی قیمت موجودہ نرخ کے مطابق اندازاً تیس روپیہ تولہ کے حساب سے ساڑھے سات سو روپیہ بنتی ہے

یہ کل ساڑھے سترہ سو روپیہ قیمت جائیداد مفصلہ بالا کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ میری وفات کے بعد جو بھی جائیداد میرے حق میں ثابت ہوگی۔ اس کے بھی دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی روپیہ اس جائیداد کی قیمت کے طور پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کی مد میں کروں۔ تو اس قدر روپیہ اسکی قیمت سے منہا کر دیا جائیگا۔

العبد:۔ حلیمہ بیگم موصیہ۔ گواہ شد:۔ عبدالباری ابن موصیہ۔ گواہ شد عبدالحمید ریلوے آڈیٹر خاوند موصیہ۔ گواہ شد:۔ بشیر احمد ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ لاہور۔

ع ۶۰۲۰۔ منکہ عبدالباری ولد عبدالحمید صاحب آڈیٹر قوم چوہان پیشہ تعلیم عمر ۲۱ سال پیدائشی احمدی ساکن لاہور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱ ۶/۳۸ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں:۔ اس وقت میری ذاتی جائیداد کوئی نہیں۔ البتہ مجھے والد صاحب کی طرف سے مبلغ دس روپے ملتے ہیں۔ پڑھائی کے ساتھ کچھ تجارتی شغل بھی رکھا ہوا ہے۔ جس میں تقریباً ۵/-/- روپے ماہوار آمد ہو جاتی ہے۔ سو میں اپنی اس آمد کا دسواں حصہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کو ادا کرتا رہوں گا۔ اور میری وفات پر میری جو جائیداد ثابت ہو۔ اس کے دسویں حصہ کی بھی صدر انجمن احمدیہ قادیان مالک ہوگی۔ اسی طرح آمد میں جس قدر اضافہ ہوگا۔ میں اسی نسبت سے شرح چندہ میں اضافہ کرتا جاؤنگا۔ وما توفیقی الا باللہ۔ اللھم تقبل منا انک سمیع الدعاء۔ العبد:۔ عبدالباری۔ گواہ شد:۔ بشیر احمد عفا اللہ عنہ ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ لاہور۔ گواہ شد:۔ عبدالحمید والد موصی۔

ع ۶۰۲۰۔ منکہ محمد احسن خاں ولد سردار امام خاں صاحب مرحوم قوم پٹھان عمر ۲۳ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۹ ۶/۳۸ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں:۔

میرے پاس فی الحال ۲۵۰/-/- روپیہ نقد ہے۔ اسکی میں بفضلہ تعالیٰ ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ سر دست میری ذاتی آمدنی نہیں۔ جب بھی ہوگی تو اس کا ۱/۱۰ حصہ ماہوار انشاء اللہ ادا کرتا رہوں گا۔ اس کے علاوہ میری وفات پر اگر میری کوئی جائیداد ثابت ہو۔ تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا جائیداد صدر انجمن احمدیہ قادیان میں بمد وصیت داخل کروں۔ تو ایسی رقم یا جائیداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دی جائیگی۔ وما توفیقی الا باللہ۔

العبد:۔ محمد احسن خاں شریف کاٹیج دارالرحمت۔

گواہ شد:۔ محمد صادق عفی عنہ۔ گواہ شد:۔ ظہور حسین معلم نصرت گرلز ہائی سکول۔

چیدہ خبریں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اخبار الاہرام کی اطلاع سے منظہر ہے۔ کہ حال ہی میں لنڈن میں یہودی کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ اس کے آخری جلسے میں کانفرنس کے صدر ڈاکٹر گولڈمین نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا۔ کہ بعض مشہور اور طاقتور حکومتیں مجلس اقوام (جنیوا) کے آئندہ اجلاس (ستمبر ۱۹۳۸ء) میں بعض ایسی تجاویز پیش کرنے والی ہیں۔ جو یہودی مصالح کے قطعاً خلاف ہیں اس کانفرنس میں مندرجہ ذیل قرار دادیں منظور کی گئیں۔

(۱) فلسطین میں جو یہودی سلطنت بنائی جائے اس میں یہودی شریعت کا قانون نافذ العمل ہوگا (۲) حکومت برطانیہ کے سوائے دوسری کوئی حکومت فلسطین کے معاملہ میں دخل نہ دے۔ (۳) آسٹریا کے یہودیوں کو بھی فلسطین میں پناہ دی جائے۔ اور فلسطین میں ہجرت کرنے والے یہودیوں کی تعداد محدود نہ کی جائے۔

قاہرہ - کی اطلاع ہے۔ کہ محمد محمود پاشا وزیر اعظم گرمیوں میں مصر تشریف لے جانے والے ہیں۔ ایک اخبار کی اطلاع کے مطابق آپ برطانوی وزارت خارجہ سے برطانوی فوج کے لئے نہر سویز کے کنارے چھاؤنیوں کی تیاری کے مسئلہ پر تبادلۂ خیالات کریں گے مصری انگریزی معاہدہ کی رو سے قرار پایا ہے۔ کہ مصر میں مقیم انگریزی فوج صرف نہر سویز کے قریب جینفہ میں رہا کرے گی۔ اور اس کے واسطے حکومت مصر اپنے خرچ سے فوجی چھاؤنیاں تیار کرا دے گی۔ جب تک یہ فوج وہاں مقام پذیر رہے گی۔ یہ عمارتیں اس کے قبضہ میں رہیں گی۔ فوج کی معاودت کے بعد یہ عمارتیں پھر حکومت مصر کے قبضہ میں آجائیں گی۔ لیکن ساتھ ہی مصر کے ارباب حکومت میں یہ خیال بھی زور پکڑ رہا ہے۔ کہ چھاؤنیاں تیار کرنے کے مصارف مصر کے خزانے پر غیر معمولی بوجھ ڈالنے کے مترادف ہوں گے۔ خصوصاً ایسے حالات میں جب مصر اپنی آمدنی کا ایک کثیر حصہ اپنی فوج کی زیادتی اور آراستگی پر صرف کر رہا ہے۔

یروشلم - گذشتہ ہفتہ کے روز انگریزی فوج کے ایک دستہ اور عربوں کے ایک گروہ میں تصادم کے نتیجے میں تئیس عرب مارے گئے۔ اور ایک انگریزی سپاہی ہلاک ہوا۔ عربوں کے متواتر حملوں کے پیش نظر پچیس مقامات پر قبضہ ہو گیا ہے۔ اگرچہ ان علاقوں کا انتظام سول حکام کے ہاتھ میں ہے۔

پیرس - ۲۹ر جون۔ حکومت برطانیہ اور حکومت فرانس کے ارباب اقتدار دنیائے اسلام کے لئے ایک "خلیفہ" مقرر کرنے کے مسئلہ پر غور کر رہے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ حکومت برطانیہ کی طرف سے شاہ فاروق والئے مصر کو "خلیفۃ المسلمین" بنانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ کیونکہ ان کے خیال میں اسی طرح دنیائے عرب پر برطانیہ کا اثر و رسوخ بہت بڑھ جائے گا۔

خلافت کے سلسلے میں شاہ فاروق کے سب سے بڑے رقیب امیر عبد اللہ والئے شرق اردن ہیں۔ جو مشرق وسطےٰ میں برطانیہ کے رسوخ بڑھ جانے کے حق میں نہیں۔ اسی طرح سلطان ابن سعود بھی شاہ مصر کو "خلیفۃ المسلمین" قرار دیئے جانے کے حق میں نہیں۔

بلغاریہ میں عربی کی ممانعت

مدینہ کے مطابق مصری اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے۔ کہ حکومت بلغاریہ نے اپنی قلمرو میں عربی حروف کے استعمال کو ممنوع قرار دے دیا ہے۔ اور وزارت تعلیمات نے تمام ماتحت مدارس کو مطلع کر دیا ہے۔ کہ لاطینی رسم الخط کی تعلیم بلا استثنیٰ تمام اسلامی مدارس میں قرار دے دیا جائے۔ اور حروف کی تعلیم کے لئے کم از کم اوقات مقرر کئے جائیں۔ اسلامی مدارس کے منتظمین اور مدرسین کے پاس بھی احکام بھیج دیئے ہیں۔ کہ وہ اس فیصلہ کی پوری قوت و شدت کے ساتھ پابندی کریں عربی ممالک میں اس خبر پر بہت زیادہ حیرت و استعجاب کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ حکومت بلغاریہ کے متعلق اب تک یہ مشہور تھا۔ کہ وہ مسلمانوں کے جذبات کا بہت زیادہ پاس کرتی ہے۔ بلکہ یہاں تک سنا جاتا تھا۔ کہ وہ محض ان کے جذبات کی رعایت میں ان مدرسین کو سزائیں دیتی ہے۔ جو مسلمان بچوں کو لاطینی حروف میں تعلیم دیتے تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ حکومت بلغاریہ کے طرزِ عمل میں یہ جو انقلاب عظیم جاری ہوا ہے۔ اس میں ٹرکی کی خفیہ ساز باز کو بہت زیادہ دخل ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ حکومت ٹرکی یہ خیال کرتی ہے۔ کہ لاطینی رسم الخط کے عادی ہو جانے کے بعد مسلمانانِ بلغاریہ کی ٹرکی کے ساتھ اجنبیت دور ہو جائے گی۔ اور کیا عجب کہ رفتہ رفتہ وہ اسکی موجودہ سیاست کو پسند کرنے لگیں۔ اور بلغاریہ چھوڑ کر ٹرکی کی طرف ہجرت کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔

کراچی - یکم جولائی۔ سرحد کا "شامی پیر" آج سوا پانچ بجے شام ہوائی جہاز کے ذریعہ کراچی پہنچا۔ رات ایک ہوٹل میں بسر کر کے وہ کل سیر یا کو رخصت ہو رہا ہے۔

واشنگٹن - یکم جولائی۔ حکومت امریکہ کے جنگی دفتر نے ۹۸ نئے جہازوں کی تیاری کے لئے چودہ ملین ڈالر کا آرڈر دیا ہے۔ یہ آرڈر امریکن فوج کی ساری تاریخ کا سب سے بڑا آرڈر سمجھا جاتا ہے۔

شملہ - یکم جولائی۔ جیسا کہ کچھ دنوں سے افواہ پھیل رہی تھی۔ سید نور احمد صاحب بی۔ اے ذاف سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور کو ڈائرکٹر انفارمیشن بیورو پنجاب مقرر کیا گیا ہے۔

سید نور احمد نے علی گڑھ یونیورسٹی کا امتحان ۱۹۲۲ء میں پاس کیا۔ اور تمام یونیورسٹی میں اول رہے۔ یونیورسٹی نے انہیں آئندہ تعلیم کے لئے وظیفہ دینا چاہا۔ لیکن ذاتی وجوہات کے باعث وہ آئندہ تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ لاہور آ گئے۔ اور "مسلم آؤٹ لک" کے ایڈیٹوریل سٹاف میں کچھ عرصہ تک کام کرتے رہے۔ ۱۹۳۱ء میں "سول ملٹری گزٹ" کے خاص نامہ نگار مقرر ہوئے۔ جس منصب پر وہ اب تک کام کرتے رہے ہیں۔

سری نگر - یکم جولائی۔ راولپنڈی۔ موٹر یونین کے نمائندوں کا ایک وفد آج وزیر اعظم کشمیر سے ملاقی ہوا۔ ہوم ممبر اور انسپکٹر جنرل پولیس ملاقات کے وقت موجود تھے۔ مختصر سی گفتگو کے بعد وزیر اعظم نے چنگی کا وہ محصول جو لہ ارمٹی کو وصول کیا گیا تھا۔ (جس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاتا ہے۔ کہ وہ ناجائز تھا) واپس کر دینے کا وعدہ کیا۔

جہاں تک لائسنسوں کا … سوال ہے۔ حکومت نے حکم دیا۔ کہ انسپکٹر جنرل پولیس کو کسی لائسنس کے ضبط کرتے وقت یہ دیکھ لینا چاہیئے۔ کہ ٹریفک رولز کی خلاف ورزی کے یہ جرائم کتنے عرصے کے دوران میں کئے گئے ہیں۔

حکومت نے وفد کی یہ باتیں ماننے سے انکار کیا۔ کہ لاریوں کے انجنوں کا معاینہ نہ کیا جائے کیونکہ حکومت کے خیال میں پبلک کی حفاظت کے نقطۂ خیال سے ایسا ہونا ضروری ہے۔

تمام قسم کی لاریوں کو مسافر لے جانے کے لئے لائسنس دیئے جانے۔ ٹریفک سپرنٹنڈنٹ کے اختیارات کو کم کرنے اور آفس سپرنٹنڈنٹ کو تبدیل کئے جانے کے متعلق مطالبات ڈیپوٹیشن نے باہمی گفت و شنید کے بعد واپس لے لئے۔

جہاں تک جرمانوں کا تعلق ہے۔ حکومت نے قرار دیا۔ کہ اس کا فیصلہ عدالتوں پر چھوڑنا چاہیئے۔ وفد وزیر اعظم کے ہمدردانہ رویہ سے بہت مطمئن تھا۔

شملہ - ۳۰ر جون۔ یونینسٹ پارٹی کے سکرٹری سید افضال علی حسنی نے ایک اعلان شائع کیا ہے کہ خان محمد یوسف خاں پنجاب اسمبلی میں ایک بل پیش کرنا چاہتے ہیں۔ جسکی غرض یہ ہے۔ کہ گورنمنٹ ایسی پابندیاں عاید کر دے۔ کہ جس سے غیر مسلم نہ تو قرآن شریف چھپوا سکیں۔ اور نہ ہی فروخت کر سکیں۔ کل پارٹی کی میٹنگ میں اس بل پر غور ہوا۔ یہ ظاہر کیا گیا۔ کہ ہر آدمی اس بل کی سپرٹ سے متفق ہے۔ لیکن یہ بل ان خرابیوں کو جو اشاعت اور فروخت کے سلسلے میں موجود ہیں۔ دور کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ یہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ قرآن شریف کو خود ایک مسلم ایجنسی ہی کیوں نہ چھپوائے۔ اس میں بہت سی غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ فروخت کے معاملہ میں پورے احترام کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا جاتا۔ ان خرابیوں کا علاج یہ نہیں۔ کہ اسکی اشاعت پر پابندیاں عاید کر دی جائیں۔ بلکہ غلطیوں کا نہ ہونا اور اس کا احترام نہایت ضروری باتیں ہیں۔

یہ فیصلہ کیا گیا۔ کہ کمیٹی کے چند ممبروں پر مشتمل ایک کمیٹی بنا دی جائے۔ جو اس سوال کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد اپنی تجاویز پیش کرے۔ جن میں اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ قرآن شریف کی کوئی جلد اس وقت تک فروخت نہ کی جائے۔ کہ جب تک اسکی صحت کے متعلق تسلیم شدہ علماء کا بورڈ تصدیق نہ کر دے۔ دوسری اقوام کی مذہبی کتابوں کے متعلق بھی اگر وہ اس